ماہنامہ

اشراق

لاہور

ستمبر ۲۰۱۷ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”... خدا خیر مطلق اور حکیم ہے، اِس وجہ سے اُس کا کوئی ارادہ بھی خیر اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ اگر اہل باطل کو ڈھیل دیتا ہے تو اِس لیے نہیں کہ وہ باطل سے محبت کرتا یا اُس کے آگے بے بس اور مجبور ہے، بلکہ اُس کے اندر بھی وہ کسی خیر عظیم کی پرورش کرتا ہے۔ اِسی طرح اگر وہ اہل حق کو مصائب و آلام میں مبتلا کرتا ہے تو اِس لیے نہیں کہ اُسے اہل حق کے مصائب سے کوئی دل چسپی ہے، بلکہ وہ اِس طرح اُن کے لیے کسی بڑے خیر کی راہیں کھولتا ہے۔“

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد ۲۹ شمارہ ۹ ستمبر ۲۰۱۷ء ذوالحجہ/محرم الحرام ۱۴۳۸ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فی شمارہ 30 روپے
سالانہ 300 روپے
رجسٹرڈ 700 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 30 ڈالر

فہرست

شذرات

احادیث اور مصوری کی شناعت — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات

البیان: الکہف ۱۸: ۶۰-۸۲ (۵) — جاوید احمد غامدی — ۱۳

معارف نبوی

دوزخ کے اعمال (۵) — جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس — ۲۰

میرا اور میرے خلفاے راشدین کا طریقہ — جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر — ۲۶

سیر و سوانح

حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ — محمد وسیم اختر مفتی — ۳۳

مقالات

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۵) — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۳۸

نقطۂ نظر

متن حدیث میں ہمارے تصرفات (۴) — ساجد حمید — ۵۸

اصلاح و دعوت

متفرق مضامین — ابو یحییٰ — ۷۵

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

سید منظور الحسن

احادیث اور مصوری کی شناعت

قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی مصوری کی شناعت بیان ہوئی ہے۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجسموں اور تصویروں کو شنیع قرار دیا، انھیں گھروں میں اور اللہ کی عبادت گاہوں میں رکھنے سے منع فرمایا اور ان کے بنانے والے مصوروں کو اخروی عذاب سے خبردار کیا۔ حدیث کی کتابوں میں ان موضوعات پر کثرت سے روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ ان روایتوں میں تماثیل کی شناعت تو نہایت صراحت سے بیان ہوئی ہے، مگر ان کا مشرکانہ عوارض سے تعلق مذکور نہیں ہے۔ اس وجہ سے بادی النظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ روایتیں مصوری کو علی الاطلاق شنیع قرار دے رہی ہیں، مگر اس موضوع کی تمام روایتوں کو سامنے رکھنے اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت بادنیٰ تامل واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں تماثیل و تصاویر کی نہیں، بلکہ سرتاسر مشرکانہ مراسم کی شناعت بیان ہوئی ہے۔ شرک کی علت کے ان میں مذکور نہ ہونے کا سبب تماثیل اور شرک کے باہمی تعلق کا معلوم و معروف ہونا ہے۔ تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں شرک اور مصوری بہت حد تک لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گئے تھے اور تماثیل کا مظاہر شرک سے متعلق ہونا ہر شخص پر آشکار تھا۔

مصوری کی شناعت کے موضوع پر چند نمایندہ احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ عن أبي طلحة الأنصاري قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ”لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب ولا تماثيل“. (مسلم، رقم ۲۱۰۶)

۲۔ عن أبي طلحة رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ”لا تدخل

الملائكة بيتًا فيه كلب ولا تصاوير". (بخاری،رقم ۵۶۰۵)

٣ ـ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتًا فيه تماثيل أو تصاوير". (مسلم،رقم ۲۱۱۲)

٤ ـ عن عائشة قالت: قال (رسول الله صلى الله عليه وسلم): "إن البيت الذي فيه الصور لا تدخله الملائكة". (بخاری،رقم ۴۸۸۶)

۱۔ ''ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور ''تماثیل'' ہوں۔''

۲۔ ''ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور ''تصاویر'' ہوں۔''

۳۔ ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں ''تماثیل'' یا ''تصاویر'' ہوں۔''

۴۔ ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں مورتیں ہوں، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان روایتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل ہوا ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جن میں 'تماثیل' ہوں، 'تصاویر' ہوں یا 'صور' ہوں۔ ان روایتوں کا مدعا سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مذکورہ الفاظ کا مفہوم متعین کیا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کا اطلاق کن چیزوں پر ہوتا تھا۔

'تماثیل' 'تمثال' کی جمع ہے۔ اس کے معنی مورت کے ہیں، یعنی ایسی چیز جو کسی اصل کے مانند بنی ہوئی ہو۔ اس سے مراد وہ اشیا ہیں جو اللہ کی کسی تخلیق کے مشابہ بنائی گئی ہوں:

والتمثال: الصورة، والجمع التماثيل. ومثل له الشيء: صوره حتى كأنه ينظر إليه. وامتثله هو: تصوره... والتمثال: اسم للشيء المصنوع مشبهًا بخلق من خلق الله، وجمعه التماثيل، وأصله من مثلت الشيء بالشيء. (لسان العرب ۱۱/ ۶۱۳)	'''تمثال' کے معنی مورت کے ہیں۔ اس کی جمع 'تماثیل' ہے۔ 'ومثل له الشيء' کے معنی ہیں: کسی چیز کی اس طرح مورت بنانا کہ گویا کہ خود اسے دیکھا جائے۔ 'امتثله هو' کا معنی ہے: وہ اس کی صورت ذہن میں لایا... 'التمثال' ایسی چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو اللہ کی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے مشابہ بنائی گئی ہو۔ اس کی جمع 'تماثیل' ہے۔ اس کی

اصل مثلت الشيء بالشيء، یعنی کسی چیز کو کسی
چیز کے مثل بنانا ہے۔‘‘

’تصاویر‘ ’تصویرۃ‘ کی جمع ہے۔ اس کے معنی تماثیل ہی کے ہیں، یعنی وہ اشیا جو اللہ کی کسی مخلوق کے مشابہ بنائی گئی ہوں:

والتصاویر: التماثیل. (لسان العرب ۴/۴۷۳) ’’تصاویر سے مراد تماثیل ہیں۔‘‘

’صور‘ ’صورۃ‘ کی جمع ہے۔ اس کے معنی شکل اور مورت کے ہیں۔

ان لغات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ’تصاویر‘، ’تماثیل‘ اور ’صور‘ ہم معنی الفاظ ہیں اور ان سے مراد وہ اشیا ہیں جو اللہ کی کسی تخلیق کے مشابہ بنائی گئی ہوں۔ اس بنا پر ان کا اطلاق حسب ذیل چیزوں پر ہوتا ہے:

۱۔ لکڑی، دھات، مٹی اور پتھر سے تراشے ہوئے مختلف مخلوقات کے مجسمے۔

۲۔ لکڑی، دھات یا پتھر پر کندہ کی ہوئی مختلف مخلوقات کی شبیہیں۔

۳۔ کپڑے اور چمڑے وغیرہ پر مرتسم مختلف مخلوقات کے نقوش۔

۴۔ دروازوں اور دیواروں پر رنگ و روغن سے بنائی ہوئی مختلف مخلوقات کی تصویریں[۱]۔

’تصاویر‘، ’تماثیل‘ اور ’صور‘ کے الفاظ کا مفہوم جاننے کے بعد اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کا اطلاق کس نوعیت کی شبیہوں پر ہوتا تھا۔ اس ضمن میں احادیث اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان سے مراد کچھ خاص مجسمے اور ان کی شبیہیں اور تصویریں ہیں۔ یہ مجسمے لکڑی، پتھر اور دھات وغیرہ سے بنے ہوئے تھے اور عرب کے مختلف مقامات پر نصب تھے۔ مشرکین عرب انھی کی ہیئت پر بنے ہوئے بت اپنے صحنوں اور حجروں میں رکھتے، انھی کے نقوش ستونوں پر کندہ کرتے، انھی کی شبیہوں سے دیواروں کو رنگین کرتے اور انھی کے خاکوں اور تصویروں والے پردے طاقوں اور دروازوں پر آویزاں کرتے تھے[۲]۔ یہ تماثیل شہر مکہ کے بیش تر گھروں میں موجود تھیں اور اہل بادیہ بھی اپنے گھروں کو ان سے مزین کرتے تھے:

ولم يكن في قريش رجل بمكة إلا وفي بيته صنم،... فيشتريها أهل البدو فيخرجون بها إلى بيوتهم. (اخبار مکہ، الازرقی ۱/۱۲۲)

’’مکہ میں قریش کا کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس کے گھر میں صنم (مجسمہ) موجود نہ ہو... بدو (خانہ بدوش بھی) ان کو خریدتے تھے اور اپنے گھروں میں لے جاتے تھے۔‘‘

گھروں میں موجود یہ تماثیل درحقیقت مختلف دیویوں اور دیوتاؤں سے منسوب اور لات، منات، عزیٰ، ہبل،

۱؎ یہاں یہ واضح رہے کہ تمثال کے مفہوم میں جان دار اور بے جان، دونوں طرح کی مخلوقات کے مجسمے اور تصویریں شامل ہیں۔

۲؎ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۸/۸۸۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

اساف، نائلہ، یعوق، یغوث، سواع اور نسر وغیرہ کے ناموں سے موسوم تھیں۔ قرآن وحدیث میں ان میں سے بعض کے اسماے علم بھی درج ہیں، مگر من حیث المجموع ان کے لیے 'اَوْثَان'[۳]، 'اَصْنَام'[۴]، 'الدمٰی'[۵] اور 'اِنْدَاد'[۶] وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

قرآن مجید، احادیث اور تاریخ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عربوں نے ان تماثیل اور ان کے پس منظر کی مزعومہ ذوات اور شخصیات کے ساتھ مشرکانہ تصورات وابستہ کر رکھے تھے۔ وہ اللہ کو الٰہ مانتے تھے، مگر اس کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق میں انھیں شریک اور ساجھی سمجھتے تھے۔[۷] یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان کے لیے 'مُشْرِکِیْن' کا لفظ اسم علم اور اسم صفت کے طور پر اختیار کیا ہے، یعنی یہ مذہب ان کے اندر اس قدر رچا بسا ہوا تھا کہ ان کے لیے نام ہی مشرکین کا اختیار کر لیا گیا۔ شرک ان کے ایمانیات کا حصہ تھا اور مشرکانہ مظاہر ملائکہ، جنات، کواکب اور بزرگوں کی پرستش کی صورت میں نمایاں ہوتے تھے۔ انھی کے تقرب اور عبادت کے لیے انھوں نے تماثیل بنا رکھی تھیں۔ لکڑی، پتھر اور دھات سے بنی ہوئی ان تماثیل کی حیثیت اگرچہ فرشتوں، جنوں اور انسانوں کے مسکنوں اور قالبوں ہی کی تصور کی جاتی تھی، مگر عملاً یہ بے جان مجسمے اور مورتیں ہی معبود اصلی قرار پاتے تھے۔ مشرکین عرب نے ان تماثیل اور ان کے پس منظر کی ذوات کے بارے میں جو مشرکانہ تصورات قائم کر رکھے تھے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اپنی پرستش کرنے والوں کی بخشش کا سامان کریں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی ان چہیتیوں کی بات ہرگز رد نہیں فرمائیں گے۔ لات، منات اور عزیٰ کو وہ فرشتوں میں سے بلند مرتبہ دیویاں سمجھ کر ان کی تماثیل کی پرستش کرتے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے

۳۔ یہ 'وثن' کی جمع ہے اور اس سے مراد لکڑی، پتھر اور دھات وغیرہ سے بنی ہوئی تماثیل ہیں۔ یہ عبادت کے لیے بنائی جاتی تھیں (لسان العرب ۱۳/ ۴۴۳)۔

۴۔ یہ 'صنم' کی جمع ہے۔ اس کے معنی بھی لکڑی، پتھر اور دھات سے بنے ہوئے مجسمے کے ہیں۔ یہ 'وثن' کے مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد پوجی جانے والی تصویر بھی ہے (لسان العرب ۱۲/ ۳۴۹)۔

۵۔ یہ 'دمیہ' کی جمع ہے۔ اس سے مراد اصنام بھی ہیں اور بالخصوص یہ ایسی منقش تصویروں اور بتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو نہایت خوب صورت طریقے سے بنے ہوئے ہوں (لسان العرب ۱۴/ ۲۷۱)۔

۶۔ یہ 'ند' کی جمع ہے۔ اس کے معنی کسی کے مانند اور مشابہ ہونے والی چیز کے ہیں۔ قرآن وحدیث میں یہ لفظ ان اشیا کے لیے آیا ہے جنھیں اللہ کا شریک ٹھیرایا جاتا تھا (لسان العرب ۳/ ۴۲۰)۔

۷۔ ذات وصفات اور حقوق میں شریک کرنے سے مراد یہ ہے کہ مثال کے طور پر اسے صاحب اولاد مانا جائے؛ اس کے علاوہ کسی اور سے بھی مدد طلب کی جائے اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے یا اس کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کیا جائے۔

کہ یہ آخرت میں لازماً ان کی شفاعت کا وسیلہ بنیں گی۔[8]

ان تماثیل کو وہ قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ کی قربت انھیں کسی واسطے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ وہ فرشتوں، جنوں اور انسانوں کی تماثیل کی عبادت اس امید پر کرتے تھے کہ وہ انھیں خدا کے تقرب سے بہرہ یاب کر دیں گی۔[9]

مشرکین عرب رزق دینے کے معاملے میں بھی تماثیل کو اللہ کی شریک تصور کرتے تھے۔ وہ یہ تو مانتے تھے کہ آسمان سے اللہ ہی پانی اتارتا ہے اور وہی زمین کی زرخیزی اور شادابی کا سامان کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ انھیں روزی دینے میں ان تماثیل کا فضل و کرم بھی شامل ہے۔[10]

ان افضال و عنایات کی بنا پر جو مشرکین عرب نے دنیا اور آخرت کے حوالے سے تماثیل سے منسوب کر رکھی تھیں، وہ ان سے ایسی محبت رکھتے تھے جس کا حق دار صرف اور صرف اللہ ہے۔[11]

مشرکین عرب ان تماثیل کو اللہ ہی کی طرح نافع و ضار سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ دنیا اور آخرت، دونوں میں انسانوں کے لیے نفع و نقصان کا اختیار رکھتی ہیں۔ چنانچہ یہ اگر کسی کو جائز و ناجائز فائدہ پہنچانا چاہیں گی تو انھیں کوئی منع نہیں کر سکے گا اور کسی کا نقصان کرنا چاہیں گی تو انھیں کوئی روک نہیں سکے گا۔[12]

ان تماثیل کے بارے میں مشرکین عرب کا یہ تصور تھا کہ ان میں موجود فرشتے اور دوسری مخلوقات الوہیت میں اللہ کی شریک ہیں۔ اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

''کہہ دو، اگر کچھ اور الٰہ بھی اس کے شریک ہوتے، جیسے یہ دعویٰ کرتے ہیں تو وہ عرش والے پر ضرور چڑھائی کر دیتے۔''[13]

مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کے صاحب اولاد ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور اللہ کے فیصلوں پر ان کے تصرفات کو تسلیم کرتے تھے۔ قرآن نے ان کے اسی تصور پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۸؎ النجم ۵۳: ۱۹-۳۰۔ القلم ۶۸: ۳۵-۴۱۔

۹؎ الزمر ۳۹: ۳۔

''اور ایسے بھی تھے جو اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اس خدا تک کسی واسطے اور شفاعت کے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا، چنانچہ وہ روحوں، جنوں اور بتوں کی پوجا پر ایمان رکھتے تھے تاکہ ان کے ذریعے سے اللہ کا تقرب حاصل کریں۔''

(بلوغ الارب، بہ حوالہ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۶/ ۱۰۳)

۱۰؎ العنکبوت ۲۹: ۶۱-۶۳۔

۱۱؎ البقرہ ۲: ۱۶۵۔

۱۲؎ بنی اسرائیل ۱۷: ۵۶۔

۱۳؎ بنی اسرائیل ۱۷: ۴۲۔

''یہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے[14]۔''

یہ وہ تصورات ہیں جو مشرکین عرب نے ان تماثیل سے وابستہ کر رکھے تھے۔ ان تصورات کی بنا پر جو مشرکانہ مراسم انھوں نے اختیار کر رکھے تھے، ان میں سے چند نمایاں درج ذیل ہیں۔

مشرکین عرب ان تماثیل کے لیے اسی طرح قربانی پیش کرتے جس طرح اللہ کے لیے پیش کرتے تھے۔ اساف اور نائلہ قریش کے بت تھے۔ اساف صفا میں نصب تھا اور نائلہ مروہ میں[15]۔ قریش کعبہ کے سامنے ان کے لیے قربانی کیا کرتے تھے[16]۔ عزیٰ بھی ایک بڑا بت تھا۔ یہ طائف میں نصب تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد اونٹ اور بھیڑ بکریاں اس کے پاس لے کر جاتے اور اس کے سامنے انھیں ذبح کرتے تھے اور تین دن تک وہاں قیام کرتے تھے[17]۔

حج و عمرے کے موقع پر اہل جاہلیت تلبیہ[18] کے کلمات میں ان تماثیل کو اللہ کا شریک گردانتے تھے[19]۔ تلبیہ کے الفاظ اس طرح ہوتے تھے:

'لبيك اللّٰهم لبيك، لا شريك لك ، إلا شريك هو لك. تملكه و ما ملك'۔

''اے میرے خدا، میں حاضر ہوں تیرے لیے، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرے اختیار میں ہے تو ان کا بھی مالک ہے اور ان چیزوں کا بھی جو تیرے اختیار میں ہیں۔'' (المفصل فی تاریخ العرب، جواد علی ۱۰۵/۶)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قبائل چونکہ اپنے اپنے مختلف بت رکھتے تھے، اس لیے ان کا تلبیہ بھی الگ الگ ہوتا تھا۔ مختلف قبائل جب حج کے لیے بیت اللہ کا رخ کرتے تو ہر قبیلہ اپنے بت کے پاس ٹھیرتا، وہاں نماز پڑھتا اور تلبیہ پڑھتا اور پھر مکہ کی طرف بڑھتا[20]۔

لوگ ان تماثیل کے بارے میں یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ ان کے قبیلوں کی نگہبان ہیں۔ یہ ان کا دفاع کرتی ہیں

---

[14] یونس ۱۰: ۶۸۔

[15] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۲۸۶/۶۔

[16] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶۶/۶۔

[17] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۴۰/۶۔

[18] تلبیہ ایک کلمہ ہے جو حج کے ایام میں 'لبيك اللّٰهم لبيك' کے الفاظ کی صورت میں حاجیوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت اس صدا کا جواب ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت الحرام کی تعمیر نو کے موقع پر بلند کی تھی۔ یہ توحید کا کلمہ تھا، مگر مشرکین نے اس میں بھی شرک کو داخل کر لیا تھا۔

[19] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۲۴۶/۶۔

[20] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۳۷۵/۶-۳۷۶۔

اور جب ان سے مدد طلب کی جاتی ہے تو بھرپور مدد کرتی ہیں[21]۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ تماثیل ان پر احسان کرتی ہیں۔ صحت، عافیت، مال، اولاد میں سے جو چیز بھی وہ ان سے مانگیں، وہ انھیں عطا کرتی ہیں[22]۔ ہبل قریش کی تماثیل میں سے سب سے بلند مرتبہ تھی۔ وہ اس سے پناہ چاہتے اور التجا کرتے کہ وہ ان کے لیے خیر و برکت کا سامان کرے اور ہر قسم کی تکلیف اور شر سے ان کو محفوظ رکھے[23]۔

عربوں کا یہ عام طریقہ تھا کہ وہ جنگوں کے موقع پر تماثیل اور ان کی علامتوں اور یادگاروں کو اپنے ہم راہ رکھتے تھے۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا کہ یہ جنگ میں فتح و کامرانی کے لیے ان کی ہر طریقے سے مدد کریں گی۔ چنانچہ ان کی یہ معروف رسم تھی کہ جب وہ جنگ کے لیے نکلتے تو مختلف اصنام کے عارضی خیموں اور مکانوں کو اپنے ساتھ لے کر نکلتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لات کا ایک خیمہ تھا۔ لوگ اسے جنگ میں اپنے ساتھ رکھتے اور میدان جنگ میں پہنچ کر اسے لشکر کے سامنے نصب کر دیتے تھے۔ اس سے لشکریوں کا حوصلہ بڑھانا مقصود ہوتا۔ منادی کرنے والے ان بتوں کے نام لے کر انھیں پکارتے تھے[24]۔ جنگ احد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب واپس مڑنے کا اعلان کیا تو ابوسفیان نے بلند آواز میں کہا: ہبل بلند ہوا، ہبل بلند ہوا۔ اس پر آپ نے حضرت عمر سے کہا کہ تم کہو: اللہ بلند ہوا۔ ابوسفیان نے کہا: ہمارے پاس عزیٰ ہے، تمھارے پاس نہیں ہے۔ اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سیدنا عمر نے کہا: ہمارا مولا اللہ ہے اور تمھارا مولا کوئی نہیں ہے[25]۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مشرکین عرب نے تمام عبادتوں میں اللہ کے ساتھ ان تماثیل کو بھی شریک کر رکھا تھا۔ وہ ان کے لیے نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور حج کے مختلف مراسم عبودیت میں انھیں اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سورج کی پرستش کرنے والوں نے ایک خاص معبد میں سورج کا بت بنا رکھا تھا اور سورج کے طلوع، نصف النہار، اور غروب کے موقعوں پر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے[26]۔ مصیبت زدہ لوگ اس بت کے لیے روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے اور اس سے شفا طلب کرتے[27]۔ اسی طرح اساف، نائلہ اور دیگر بتوں کے گرد

---

[21] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۲۶۱/۶۔

[22] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۳۳۶/۶۔

[23] اخبار مکہ، الازرقی ٦٦/١۔

[24] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۲۳۵/۶۔

[25] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۲۵۳/۶۔

[26] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

[27] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۳۳۷/۶۔

طواف کرنے کی رسم عام تھی۔[28]

تماثیل کو چومنا، ان کے آگے جھکنا، ان کے گرد طواف کرنا، یہ سب اعمال اہل عرب کے دینی شعائر میں سے تھے۔ وہ انھیں برکت کے لیے چھوتے اور ان کی تقدیس کے لیے ان پر چادریں چڑھاتے تھے۔[29] ان تماثیل کی وہ اسی طرح تعظیم و تقدیس کرتے تھے جس طرح بیت اللہ کی کرتے تھے اور بیت اللہ ہی کی طرح انھوں نے ان کے معبدوں پر بھی خدام مقرر کر رکھے تھے۔[30]

ان تماثیل کے معبد نذر و نیاز کا مرکز تھے۔ یہ سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے بنے ہوتے تھے۔ انھیں نقش و نگار سے مزین کیا جاتا۔ ان معبدوں پر جا کر منتیں مانی جاتیں اور سونا، چاندی، اجناس اور دیگر اشیا کی نذریں پیش کی جاتیں۔[31] اس نذر و نیاز کو وہ ان تماثیل کی طرف سے اس بنا پر اپنے اوپر قرض سمجھتے کہ انھوں نے ان کی نصرت اور شفاعت کی ہے۔[32]

مشرکانہ تصورات اور مراسم کی اس تفصیل سے یہ بات نہایت صراحت کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے کہ عربوں کے گھروں میں موجود جن تماثیل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشنیع قرار دیا ہے، وہ کوئی عام تماثیل نہیں تھیں، بلکہ ان اصنام کی تصاویر اور شبیہیں تھیں جنھیں حی و قیوم اور نافع و ضار سمجھ کر پوجا جاتا تھا۔ یہ اگرچہ لکڑی، پتھر اور دھات وغیرہ جیسے بے جان عناصر سے بنی ہوئی تھیں، مگر مشرکین عرب انھیں فرشتوں اور انسانوں کے قالب تصور کرتے تھے اور ان کے اندر ان کی روحوں کے حلول ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ گویا یہ تماثیل ان کے نزدیک کوئی بے روح اور مردہ اشیا نہیں تھیں، بلکہ روحوں کی حامل زندہ و بیدار مخلوقات تھیں۔ ایک روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہ ''جس گھر میں کتا ہو اور مورت ہو، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے''۔ اس بات کو واضح کیا کہ یہاں 'صورة' سے مراد 'صورة التماثيل'' ، یعنی ان خاص تماثیل کی تصویریں ہیں جن میں روحیں تصور کی جاتی ہیں:

---

[28] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/ ۳۸۰۔

[29] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/ ۲۹۳۔

[30] تفسیر ابن کثیر ۴/ ۲۵۳۔

[31] الانعام ۶: ۱۳۶۔ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/ ۴۰۴۔

[32] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۶/ ۶۱۔

أخبرني أبو طلحة صاحب الرسول و كان قد شهد بدرًا معه، أنه قال (رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم): ”لا تدخل الملائكة بيتًا فيه كلب و لا صورة يريد صورة التماثيل التي فيها الارواح“. (بخاری، رقم ۳۷۸۰)

”مجھے ابوطلحہ نے خبر دی جو نبی کے صحابی اور جنگ بدر میں آپ کے ساتھ شریک تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا مورت ہو، ان کے نزدیک اس سے مراد ان تماثیل کی مورت ہے جن میں روحیں پائی جاتی تھیں۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں اس مفہوم کو 'صورة روح'، یعنی ''روح والی تصویر'' کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ بھی اسی بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تماثیل اور تصاویر کو گھروں میں رکھنے سے منع فرمایا، وہ عام تصویریں نہیں، بلکہ روحوں کے تصور والی تصویریں تھیں۔ روایت یہ ہے:

عن نجي... قال علي... قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم... ”قال جبريل ... إنها ثلاث لن يلج ملك (دارًا) ما دام فيها ابدًا: واحد منها كلب أو جنابة أو صورة روح. (رقم ۶۴۸)

”نجی رحمہ اللہ سے روایت ہے... علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل فرماتے ہیں کہ ... تین چیزیں جب تک کسی گھر میں رہتی ہیں تو فرشتہ اُس (گھر) میں کبھی نہیں جاتا۔ ان تین میں سے ایک کتا ہے، دوسری چیز جنبی آدمی اور تیسری چیز روح کی تصویر ہے۔“

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

البیان
جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الکہف

(۵)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

(اِن کے مقابل میں صبر کرو، اے پیغمبر، اور اِس کے لیے وہ واقعہ سامنے رکھو)، جب موسیٰ نے اپنے شاگرد[۶۸] سے کہا کہ میں چلتا رہوں گا، یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ جاؤں[۶۹] یا اِسی طرح

۶۸۔ اصل میں لفظ 'فَتٰی' استعمال ہوا ہے جس کے معنی نوجوان لڑکے کے ہیں۔ لیکن حضرت موسیٰ نے جس انداز سے اُس کے ساتھ گفتگو کی ہے، اُس سے واضح ہے کہ اُس کی حیثیت محض ایک خادم کی نہیں، بلکہ ایک نوجوان صحابی اور شاگرد کی ہے۔ اِس لحاظ سے دیکھیے تو اِس کا ترجمہ لفظ 'شاگرد' سے نہایت موزوں ہوگا۔

۶۹۔ یہ واقعہ عالم رؤیا کا بھی ہوسکتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کے رؤیا چونکہ 'بالحق' ہوتے ہیں، اِس لیے قرآن اور بائیبل، دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بالکل اُسی طریقے سے بیان کیے جاتے ہیں، جس طرح عالم بیداری کے واقعات بیان ہوتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدا میں دیکھیے تو واقعۂ اسرا اِسی طرح بیان ہوا ہے، مگر آگے اِسی سورہ میں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ ایک رؤیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔ تاہم اِسے اگر عالم بیداری ہی کا واقعہ مانا جائے تو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پھر وہی ہوسکتی ہے جہاں موجودہ شہر خرطوم کے قریب دریاے نیل کی دو بڑی شاخیں البحر الابیض اور البحر الازرق آ کر ملتی ہیں۔ صاحب ''تفہیم القرآن'' نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىہُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا ہٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَۃِ فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡسٰنِیۡہُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَہٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ ٭ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبۡغِ ٭ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِہِمَا

سال ہا سال چلتا رہوں۔[۷۰] سو جب وہ دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو اپنی (ناشتے کی بھنی ہوئی) مچھلی[۷۱] بھول گئے اور اُس نے دریا میں سرنگ لگا کر اپنی راہ لی۔ پھر جب آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ اب ہمارا کھانا لاؤ۔ ہمارے اِس سفر سے تو ہم کو بڑی تکان ہو گئی۔ شاگرد نے کہا: کیا عرض کروں،[۷۲] جب ہم اُس چٹان کے پاس ٹھیرے ہوئے تھے تو اُس وقت مجھے مچھلی کا خیال نہیں رہا اور یہ شیطان ہی تھا جس نے مجھے غافل کر دیا کہ میں اُسے یاد رکھوں[۷۳] اور اُس نے عجیب طریقے سے دریا میں اپنی راہ

حضرت موسیٰ نے اپنی پوری زندگی جن علاقوں میں گزاری ہے، اُن میں اِس ایک مقام کے سوا کوئی مجمع البحرین نہیں پایا جاتا۔

۷۰۔ یہ اِس سفر کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عزم و جزم اور ذوق و شوق کا اظہار ہے اور اِس کے لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"...فرماتے ہیں کہ میں یا تو مجمع البحرین میں اُس مقام تک پہنچ جاؤں گا، جہاں پہنچنے کے لیے مجھے ہدایت ہوئی ہے یا پھر اِسی منزل مقصود کی تلاش میں سال ہا سال گزار دوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہمت ہے تو اِس سفر میں ساتھ دو، ورنہ یہ بندہ تو بہر حال اِس محبوب سفر پر روانہ ہو رہا ہے اور اِس عزم کے ساتھ روانہ ہو رہا ہے کہ —— یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید۔" (تدبر قرآن ۴/ ۶۰۵)

۷۱۔ اِس کے لیے آگے لفظ 'غَدَآء' استعمال ہوا ہے۔ بے بھنی یا زندہ مچھلی کے لیے یہ لفظ کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ اِس لیے یہ اِس بات کا واضح قرینہ ہے کہ مچھلی بھنی ہوئی تھی۔

۷۲۔ اصل میں لفظ 'اَرَءَیۡتَ' آیا ہے۔ یہ اِس جملے میں قائل کی جھجک کو ظاہر کر رہا ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی رعایت سے کیا ہے۔

۷۳۔ نہایت شستہ الفاظ میں یہ اپنی کوتاہی کی معذرت ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قَصَصًا ﴿٦۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا
عِلْمًا ﴿٦۵﴾

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ
اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾

تلاش کر لی۔[۴ے] موسیٰ نے کہا: یہی تو وہ جگہ ہے جو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔[۵ے] چنانچہ وہ اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے لوٹے تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو وہاں پایا جسے ہم نے خاص اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنے پاس سے اُس کو ایک خاص علم عطا فرمایا تھا۔[٦ے] ٦٠-٦۵

موسیٰ نے اُس سے درخواست کی کہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں اِس شرط پر آپ کے ساتھ رہوں کہ جو علم[٧ے] آپ کو عطا ہوا ہے، آپ اُس میں سے کچھ مجھے بھی سکھائیں گے؟ اُس نے جواب دیا: تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے اور جو چیز تمھارے دائرۂ علم سے باہر ہو گی، آخر تم اُس پر صبر کر بھی کس

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۴ے یعنی واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ جب دونوں مجمع البحرین پہنچے تو ذرا دم لینے کے لیے کسی چٹان کے پاس ٹھیرے۔ پھر وہاں سے چلے تو شاگرد مچھلی ساتھ لینا بھول گیا۔ تھوڑا آگے چل کر اُسے یاد آیا تو اُس کو لینے کے لیے لوٹا، لیکن وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ناشتے کی بھنی ہوئی مچھلی تڑپ کر پانی میں جا رہی ہے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ شاگرد نے غالباً اِس اندیشے سے اِسے حضرت موسیٰ کو نہیں بتایا کہ باور نہیں کریں گے اور شاید ناراض بھی ہوں۔

۵ے اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کو یہی بتایا گیا تھا کہ جس مقام پر اُن کے ناشتے کی مچھلی زندہ ہو کر دریا کی راہ لے گی، وہی اُن کی منزل مقصود ہے۔ چنانچہ وہ شاگرد کی بات سن کر پھڑک اٹھے اور فرمایا کہ اِسی کی تو تلاش تھی۔

٦ے روایتوں میں اِن کا نام خضر آیا ہے۔ اِن کے جو کام آگے بیان ہوئے ہیں، اُن سے واضح ہے کہ یہ غالباً ملائکہ میں سے کوئی ہستی تھے جو انسانی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کو ملے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسی نوعیت کے کاموں کے لیے مامور تھے جو آگے مذکور ہیں۔

٧ے اصل میں لفظ 'رُشد' آیا ہے۔ اِس کے معنی علم و حکمت کے ہیں، لیکن یہاں اِس سے مراد وہ خاص علم ہے جو

قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَآ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا ﴿۶۹﴾

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾
فَانۡطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا لَقَدۡ
جِئۡتَ شَیۡئًا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ
لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَ لَا تُرۡہِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾

فَانۡطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَہٗ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّۃًۢ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ
لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا نُّکۡرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۵﴾

طرح سکتے ہو۔ موسیٰ نے کہا: اِن شاء اللہ، آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ ۶۶-۶۹

اُس نے کہا: پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا، جب تک میں خود تم سے اُس کا ذکر نہ کروں۔ بالآخر وہ دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب (ایک جگہ) کشتی میں سوار ہوئے تو اُس شخص نے کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: آپ نے اِس میں چھید کر دیا تاکہ سب کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی ہی عجیب حرکت کر ڈالی ہے۔ اُس نے کہا: میں نے کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ موسیٰ نے کہا: میں جس چیز کو بھول گیا، اُس پر میری گرفت نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر زیادہ سختی نہ فرمائیے۔ ۷۰-۷۳

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب (راستے میں) ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تو اُس نے لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ موسیٰ نے کہا: آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی، حالاں کہ اُس نے کسی کا خون نہیں کیا تھا؟ یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔ اُس نے کہا: میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ

اسرار کائنات سے متعلق اُس بندے کو دیا گیا تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾
فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَآ اَتَیَآ اَهْلَ قَرْیَةِ اِۨسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا
فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾
قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾
اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ
وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

صبر نہیں کر سکو گے؟ موسیٰ نے کہا: اِس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے حد عذر کو پہنچ گئے۔ اِس پر دونوں آگے بڑھے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے کھانا کھلانے کو کہا، مگر اُنھوں نے اُن کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ پھر اُنھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی تو اُس نے وہ دیوار کھڑی کر دی۔ موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اِس پر مزدوری لے سکتے تھے۔[۷۸] اُس نے کہا: اب یہ میرے اور تمھارے درمیان جدائی ہے۔ میں ابھی اُن باتوں کی حقیقت تمھیں بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہیں کر سکے ہو۔[۷۹] ۷۶-۷۸

اُس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ سو میں نے چاہا[۸۰] کہ اُسے عیب دار کر دوں، (اِس لیے کہ) اُن کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین رہا تھا۔[۸۱] ۷۹

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۷۸؎ مطلب یہ ہے کہ بستی کے لوگ تو ایسے لئیم تھے کہ اُنھوں نے ہماری درخواست پر ہمیں کھانا کھلانے سے انکار کر دیا، لیکن آپ نے اِس کے باوجود اُن کی دیوار درست کر دی۔ اِن کمینوں کے لیے آپ نے یہ محنت بے مزد کیوں برداشت کی ہے؟ آپ اِس پر کچھ مزدوری لے سکتے تھے جس سے ہم کھانا ہی خرید لیتے۔

۷۹؎ اِس سے واضح ہے کہ جدائی کا فیصلہ صرف اِس لیے نہیں ہوا کہ حضرت موسیٰ پر حجت تمام ہو گئی، بلکہ جس مقصد کے لیے یہ سفر کیا گیا تھا، وہ مقصد بھی حاصل ہو گیا۔

۸۰؎ آگے وضاحت ہے کہ اُنھوں نے یہ کام اللہ کے حکم سے کیا، لیکن یہاں اُس کی نسبت اپنی طرف اِس لیے

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾
فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾
وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا
وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا

رہا لڑکا تو اُس کے ماں باپ، دونوں ایمان والے تھے۔ سو ہمیں اندیشہ ہوا[۸۲] کہ کہیں وہ بڑا ہو کر اپنی سرکشی اور کفر سے اُن کو تنگ نہ کرے۔ سو ہم نے چاہا کہ اُن کا پروردگار اُنھیں اِس کی جگہ ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اِس سے بہتر اور شفقت و محبت میں اِس سے بڑھ کر ہو۔ ۸۰-۸۱

اور دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اُس کے نیچے اُن کا دفینہ تھا اور اُن کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ (یہ دفینہ اُسی نے رکھا تھا) سو تیرے پروردگار نے چاہا[۸۳] کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچیں اور

کی ہے کہ غالباً حکم صرف یہ تھا کہ کشتی کو بادشاہ کے غضب سے بچا لیا جائے۔ اِس کے لیے تدبیر کیا ہونی چاہیے؟ اِس کا فیصلہ اُنھوں نے خود کیا۔ چنانچہ اُس کو منسوب بھی اپنی طرف کیا ہے۔

۸۱؎ یعنی اپنی کسی جنگی مہم کے لیے زبردستی قبضے میں کر رہا تھا۔

۸۲؎ یہاں بھی وہی صورت ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ اُن کو حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ یہ لڑکا کافر ہو گا، اِس لیے اِس کو مار دیا جائے۔ اُنھوں نے اِس سے اندازہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے والدین پر عنایت فرمائی ہے کہ بڑا ہو کر وہ اپنی سرکشی اور کفر سے اُن کو ایذا نہ دے۔ چنانچہ اِس کے لیے 'خَشِيْنَا' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے نہیں، بلکہ اُن کے اپنے اجتہاد کی تعبیر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ اُنھوں نے اِس کے لیے جمع کا صیغہ کیوں اختیار کیا؟ تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہاں اُس پوری جماعت کی نمایندگی کر رہے ہیں جو کارکنان قضا و قدر کی حیثیت سے اِنھی کاموں کے لیے مامور ہے۔ اپنے زمرے کی رعایت سے جمع کے صیغے کا استعمال ہماری زبان میں بھی عام ہے۔

۸۳؎ اصل الفاظ ہیں: 'فَاَرَادَ رَبُّكَ'۔ یہ حکم جس طرح آگے نقل ہوا ہے، اُسی صورت میں دیا گیا اور اُنھوں نے

رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِیۡ ذٰلِكَ تَاۡوِیۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَّلَیۡهِ صَبۡرًا ﴿۸۲﴾

اپنا دفینہ خود نکالیں[۸۴]۔ یہ تیرے پروردگار کی عنایت سے ہوا۔ میں نے یہ سب اپنی راے سے نہیں کیا۔ یہ ہے اُن باتوں کی حقیقت جن پر تم صبر نہیں کر سکے ہو[۸۵]۔ ۸۲

اُس کی تعمیل کر دی۔ چنانچہ دیکھ لیجیے، یہاں فعل 'اَرَادَ' کی نسبت براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔

۸۴؎ مطلب یہ ہے کہ یہ عنایت اُن لئیموں پر نہیں کی گئی جو کسی مہمان کو کھانا کھلانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے، بلکہ دو یتیموں پر کی گئی ہے کہ دیوار کے گرنے سے اُن کا خزانہ کہیں اُن لئیموں کے ہاتھ نہ لگ جائے اور اِس لیے کی گئی ہے کہ اُن کا باپ ایک صالح آدمی تھا۔

۸۵؎ یہ قصہ علم و حکمت کا ایک گنج گراں مایہ ہے۔ صبر و رضا کی تربیت کے لیے اِس سے جو اصول حکمت واضح ہوتے ہیں، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اُن کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک یہ کہ اِس دنیا میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے، سب خدا کے اذن اور اُس کے ارادہ و مشیت کے تحت واقع ہوتا ہے۔ اُس کے اذن و ارادہ کے بغیر ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔

دوسری یہ کہ خدا خیر مطلق اور حکیم ہے، اِس وجہ سے اُس کا کوئی ارادہ بھی خیر اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ اگر اہل باطل کو ڈھیل دیتا ہے تو اِس لیے نہیں کہ وہ باطل سے محبت کرتا یا اُس کے آگے بے بس اور مجبور ہے، بلکہ اُس کے اندر بھی وہ کسی خیر عظیم کی پرورش کرتا ہے۔ اِسی طرح اگر وہ اہل حق کو مصائب و آلام میں مبتلا کرتا ہے تو اِس لیے نہیں کہ اُسے اہل حق کے مصائب سے کوئی دل چسپی ہے، بلکہ وہ اِس طرح اُن کے لیے کسی بڑے خیر کی راہیں کھولتا ہے۔

تیسری یہ کہ انسان کے علم کی رسائی محدود ہے، اِس وجہ سے وہ خدا کے ہر ارادہ کی حکمت کو اِس دنیا میں نہیں معلوم کر سکتا۔ اُس کے ارادوں کے تمام اسرار صرف آخرت ہی میں بے نقاب ہوں گے۔ اِس دنیا میں انسان کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ خدا کے تمام فیصلوں پر صابر و شاکر رہتے ہوئے اپنا فرض ادا کرے اور مطمئن رہے کہ آج کی تلخیوں کے اندر جو شیرینی چھپی ہوئی ہے، اُس کے روح افزا جام اِن شاء اللہ کل سامنے آئیں گے۔''

(تدبر قرآن ۴/ ۵۹۹)

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معارف نبوی

جاوید احمد غامدی
تحقیق و تخریج: محمد حسن الیاس

دوزخ کے اعمال

(۵)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ۱ ——

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الدَّيْلَمِيِّ،[1] قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَهُوَ فِي حَائِطٍ لَهُ بِالطَّائِفِ، يُقَالُ لَهُ: الْوَهْطُ، وَهُوَ مُخَاصِرٌ فَتًى مِنْ قُرَيْشٍ يُزَنُّ ذٰلِكَ الْفَتٰى بِشُرْبِ الْخَمْرِ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ”مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ شَرْبَةً لَمْ تُقْبَلْ لَهُ تَوْبَةٌ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ تُقْبَلْ تَوْبَتُهُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا،[2] فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ[3] يَوْمَ الْقِيَامَةِ“.

عبد اللہ بن دیلمی کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اُس وقت طائف میں، اپنے باغ میں تھے، جسے ’وہط‘ کہا جاتا تھا۔ وہ قریش کے ایک نوجوان کا ہاتھ پکڑے ہوئے ٹہل رہے تھے، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ شراب پیتا ہے۔ میں وہاں پہنچا

تو اُنھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص شراب کا ایک گھونٹ پیے گا، اُس کی توبہ چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی[1]۔ اِس کے بعد، البتہ اُس نے توبہ کی تو اللہ مہربانی فرمائے گا اور اُسے معاف کر دے گا۔ اُس نے پھر یہی کیا اور دوبارہ شراب پی لی تو دوبارہ یہی معاملہ ہوگا اور اُس کی توبہ چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی۔ اِس کے بعد، البتہ اُس نے توبہ کی تو اللہ دوبارہ مہربانی فرمائے گا اور اُس کی توبہ قبول کر لے گا۔ لیکن اُس نے پھر یہی کیا تو اللہ پر لازم ہے کہ اُس کو ہلاکت کی کیچڑ پلا دے[2]۔

۱۔ یعنی قبولیت کو مؤخر کیا جائے گا تاکہ معلوم ہو کہ ارادہ پختہ ہے اور وہ فی الواقع تائب رہے گا۔ یہ وہی بات ہے جو سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۹۴ 'سَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ' میں بیان ہوئی ہے۔ شراب چونکہ ایسی چیز ہے کہ اِس کی لت پڑ سکتی ہے اور منہ کو لگ جائے تو چھوڑنی آسان نہیں ہوتی، اِس لیے ضروری ہوا کہ قبولیت سے پہلے دیکھا جائے کہ توبہ دل سے کی گئی ہے اور کرنے والا اُس پر قائم بھی رہے گا۔

۲۔ آگے روایتوں میں وضاحت ہے کہ اِس سے مراد وہ کیچڑ ہے جو دوزخ کی زمین پر لوگوں کے خون، پسینے اور پیپ سے بنے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پھر اِسی کا مستحق ہے کہ توبہ کی توفیق سے محروم رہے اور اِسی لت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو کر اِس کی جگہ دوزخ کی کیچڑ پیے۔ یہ بار بار توبہ کر کے توڑ دینے والوں کے لیے تنبیہ و تہدید کا اسلوب ہے۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اِس کے بعد اُس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۶۶۴ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۵۰۲۵، مسند بزار، رقم ۲۲۰۷ اور شعب الایمان، بیہقی، رقم ۵۱۶۲ میں نقل ہوئی ہے۔

۲۔ مسند احمد، رقم ۶۶۴۴ میں اِس جگہ یہ اضافہ بھی منقول ہے کہ اللہ اُس شخص کی نماز بھی چالیس روز تک قبول نہیں کرتا، جب کہ سنن دارمی، رقم ۲۰۲۶ میں اِس جگہ صرف نماز کے چالیس دن تک قبول نہ ہونے کی بات نقل ہوئی

ہے، توبہ کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۶۴۶۵ میں اِنھی عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے 'مِنُ طِینَةِ الُخَبَالِ' کے بجاے 'رَدُغَةِ الُخَبَالِ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ دونوں تعبیرات کا مدعا ایک ہی ہے۔ بعض روایات، مثلاً مسند طیالسی، رقم ۲۰۰۰ میں مزید وضاحت ہے کہ دوزخ کی یہ سزا بار بار توبہ کر کے اُس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ملے گی۔

—— ۲ ——

عَنُ عَبُدِ اللّٰهِ بُنِ عَمُرٍو،[۱] قَالَ: قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ: "مَنُ شَرِبَ الُخَمُرَ وَسَكِرَ، لَمُ تُقُبَلُ لَهُ صَلَاةٌ أَرُبَعِینَ صَبَاحًا، وَإِنُ مَاتَ دَخَلَ النَّارَ،[۲] فَإِنُ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیُهِ، وَإِنُ عَادَ فَشَرِبَ فَسَكِرَ، لَمُ تُقُبَلُ لَهُ صَلَاةٌ أَرُبَعِینَ صَبَاحًا، فَإِنُ مَاتَ دَخَلَ النَّارَ، فَإِنُ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیُهِ، وَإِنُ عَادَ فَشَرِبَ فَسَكِرَ، لَمُ تُقُبَلُ لَهُ صَلَاةٌ أَرُبَعِینَ صَبَاحًا، فَإِنُ مَاتَ دَخَلَ النَّارَ، فَإِنُ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیُهِ، وَإِنُ عَادَ كَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ أَنُ یَّسُقِیَهُ مِنُ رَدُغَةِ الُخَبَالِ یَوُمَ الُقِیَامَةِ"،[۳] قَالُوا: یَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا رَدُغَةُ الُخَبَالِ؟ قَالَ: "عُصَارَةُ أَهُلِ النَّارِ".

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے شراب پی اور پی کر مدہوش ہو گیا، اُس کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی[۱] اور اِسی حالت میں مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔ البتہ، اگر اُس نے توبہ کر لی تو اللہ مہربانی فرمائے گا اور اُس کو معاف کر دے گا۔ اُس نے پھر یہی کیا اور شراب پی کر مدہوش ہو گیا تو اُس کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی اور اِسی حالت میں مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔ البتہ، اگر اُس نے توبہ کر لی تو اللہ مہربانی فرمائے گا اور اُس کو معاف کر دے گا۔ اُس نے پھر شراب پی لی اور نشے سے مدہوش ہو گیا تو اُس کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں کی جائے گی اور اِسی حالت میں مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔ البتہ، اگر اُس نے توبہ کر لی تو اللہ مہربانی فرمائے گا اور اُس کو معاف کر دے گا۔ لیکن اِس کے بعد اُس نے پھر یہی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیا تو اللہ پر لازم ہے کہ قیامت کے دن اُس کو ہلاکت کی کیچڑ پلا دے[2]۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، یہ ہلاکت کی کیچڑ کیا چیز ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کا خون اور اُن کی پیپ۔

۱۔ پہلی روایت کے برخلاف یہ اُس صورت کا بیان ہے کہ نشے میں بدمست ہو کر پڑ رہا اور توبہ بھی نہیں کی۔ اِس کا نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے منہ پھیر لیں گے اور اپنی بارگاہ میں نماز کی حاضری کو بھی قبول نہیں کریں گے۔ یہ اُسی اصول پر فرمایا ہے جو قرآن میں جگہ جگہ بتایا گیا ہے کہ انسان کے بعض رویے اور کرتوت اللہ تعالیٰ کے ہاں حبط اعمال کا باعث بن جاتے ہیں۔ ہر بندۂ مومن کو اِس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے اور بڑا یا چھوٹا جو گناہ بھی ہو جائے، اُس کے فوراً بعد توبہ و استغفار کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ شراب نوشی کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔ قرآن نے اِسے 'رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ' (گندے شیطانی کاموں میں سے) کہا ہے۔ آگے بعض روایتوں سے واضح ہوگا کہ یہ ام الخبائث ہے، جس کے بطن سے ایک نہیں، دسیوں گناہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ حبط اعمال کی یہ وعید اِسی بنا پر ہے اور اِس سے مقصود یہ ہے کہ بندۂ مومن اِس کی شناعت کو سمجھے اور نشے کی چیزوں سے باز آ جائے۔ سورۂ مائدہ (۵) کی آیت ۹۱ میں قرآن نے اِسی حقیقت کو اپنے بلیغ اسلوب میں اِس طرح بیان فرمایا ہے کہ 'فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ' (پھر کیا اِس سے باز آتے ہو)؟

۲۔ یعنی اِس طرح بار بار توبہ کر کے اُس کو توڑ دینے کے بعد وہ اِسی کا مستحق ہے کہ توبہ کی توفیق ہی سے محروم کر دیا جائے اور نتیجے کے طور پر دوزخ میں پہنچ جائے، جہاں شراب کی جگہ اُس کے لیے پینے کی چیز دوزخیوں کا خون اور اُن کی پیپ ہی ہوگی۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن سنن ابن ماجہ، رقم ۳۳۷۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

مسند احمد، رقم ۶۶۴۵، ۶۵۹۷۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۲۶۔ مسند بزار، رقم ۲۲۰۷۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۵۵۹۸،

۵۶۰۴۔صحیح ابن خزیمہ، رقم ۸۹۸۔مستدرک حاکم، رقم ۸۰، ۷۳۰۱، ۱۳۳۱۸۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔اُن سے اِس کے مصادر یہ ہیں: مسند طیالسی، رقم ۲۰۰۰۔مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۶۵۴۰، ۱۶۵۴۱۔مسند احمد، رقم ۵۷۷۴۔سنن ترمذی، رقم ۱۷۸۱۔مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۶۲۹۔المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۳۲۷۵، ۱۳۳۱۸۔

۲۔مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۶۵۴۱ میں اِس جگہ یہ اضافہ منقول ہے:'وَلَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ'''اور اللہ اُس کی طرف نگاہ التفات سے نہیں دیکھیں گے''۔اِس کے راوی عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

۳۔مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۶۲۹ میں اِس جگہ یہ اضافہ روایت ہوا ہے:'فَإِنْ تَابَ، لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَسَقَاهُ مِنْ نَهَرِ الْخَبَالِ''''پھر اگر اُس نے توبہ کی تو اللہ اُس پر مہربان نہ ہوگا اور اُسے ہلاکت کی نہر سے پلائے گا۔''

المصادر والمراجع

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان.** ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، على بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤١٨هـ/١٩٩٨م). **المعجم الصحابة** .ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة مكرمة: نزار مصطفى الباز.

ابن ماجة، ابن ماجة القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). **لسان العرب**. ط١. بيروت: دار صادر.

أبو نعيم ، (د.ت). **معرفة الصحابه** .ط١. تحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل.** ط١. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسماعيل. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م). **الجامع الصحيح**. ط٣. تحقيق: مصطفٰى ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني. **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**. (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي. (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **السنن الكبرٰى**. ط١. تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين السيوطي. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**. ط ١. تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠هـ). **مسند الشاشي**. ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين اللّٰه. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي. (١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). **صحيح المسلم**. ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرٰى**. ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **السنن الكبرٰى**. ط١. تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی
تحقیق و تخریج: محمد عامر گزدر

میرا اور میرے خلفاے راشدین کا طریقہ

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، قَالَ:[1] صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ [ذَاتَ يَوْمٍ]،[2] ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً، ذَرَفَتْ لَهَا الْأَعْيُنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، قُلْنَا أَوْ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَأَوْصِنَا. قَالَ: [”قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ]،[3] أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ [لِمَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ]،[4] وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا [مُجَدَّعًا]،[5] [فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ، حَيْثُمَا قِيْدَ انْقَادَ]،[6] فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرٰى بَعْدِيْ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ،[7] [تَمَسَّكُوْا بِهَا]،[8] وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“.

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسا موثر وعظ فرمایا کہ اُس سے آنکھیں بہ نکلیں اور

دل کانپ اٹھے۔ ہم نے یا بیان کیا کہ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، یہ تو گویا کسی رخصت ہونے والے کا وعظ ہے، لہٰذا ہمیں وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تم لوگوں کو ایسی روشن اور واضح ہدایت پر چھوڑا ہے کہ اُس کی رات بھی دن کی طرح ہے۔[1] اُس سے میرے بعد وہی انحراف کرے گا جس کے لیے ہلاکت مقدر ہو چکی ہو۔[2] میں تمھیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور ہر اُس شخص کے ساتھ سمع وطاعت کا رویہ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں جسے اللہ تمھارا حکمران بنا دے، اگرچہ وہ کوئی نک کٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو،[3] اِس لیے کہ بندۂ مومن اُس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کی ناک مہار سے ایسی دُکھ رہی ہو کہ اُس کو جہاں کھینچ لے جائیں، کھچتا چلا جائے۔[4] سو متنبہ رہو، تم میں سے جو بھی میرے بعد زندہ رہے گا، بڑے اختلافات دیکھے گا۔[5] اُس وقت لازم ہے کہ تم وہی طریقہ اختیار کرو جو دین شریعت پر عمل کے لیے میں نے اختیار کیا ہے[6] اور جو میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاے راشدین اختیار کریں گے۔[7] تم اُس کو مضبوطی سے تھامنا اور دانتوں سے پکڑے رکھنا اور دین میں جو نئی باتیں نکالی جائیں،[8] اُن سے خبردار رہنا، اِس لیے کہ اِس طرح کی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۔ یہ نہایت بلیغ تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی جو چیزیں مجمل ہیں یا لوگوں کے اجتہاد پر چھوڑ دی گئی ہیں، وہ بھی مبہم نہیں، بلکہ ایسی واضح ہیں کہ اُس کے اصول ومبادی میں بصیرت رکھنے والے اُن کو بھی مہ وآفتاب کی طرح روشن دیکھتے ہیں۔

۲۔ یعنی خدا کے اُس قانون کے مطابق ہلاکت مقدر ہو چکی ہو جو اُس نے لوگوں کی ہدایت وضلالت کے لیے مقرر کر رکھا ہے اور جس کے مطابق ہدایت صرف اُنھی کو ملتی ہے جو ہر طرح کے تعصّبات سے بالاتر ہو کر علم وعقل کی روشنی میں فیصلے کرتے اور ہدایت کے سچے طالب ہوتے ہیں۔

۳۔ یہ اُسی حکم کی تاکید ہے جو قرآن مجید کی سورۂ نساء (۴) کی آیت ۵۹ میں 'اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ' کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

۴۔ بندۂ مومن کے لیے یہ مہار خدا کا حکم اور اُس کے پیغمبر کی یہ نصیحت ہے کہ اپنے حکمرانوں کے ساتھ سمع وطاعت کا رویہ اختیار کرو، چاہے تم تنگی میں ہو یا آسانی میں اور چاہے یہ رضا ورغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ، اور اِس

کے باوجود کہ تم پر کسی کو ناحق ترجیح دی جائے۔ ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، رقم ۱۷۰۹۔

۵۔ چنانچہ یہی ہوا اور یہ اختلافات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی سامنے آ گئے۔ اِن کی ابتدا اگرچہ سیاسی نوعیت کے بعض اختلافات سے ہوئی، مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اِنھوں نے مذہبی اختلافات کی صورت اختیار کر لی اور اُن سب فرقوں کی پیدایش کا باعث بن گئے جنھیں اب ہم شیعہ سنی اور خوارج وغیرہ ناموں سے جانتے ہیں۔

۶۔ اصل میں لفظ 'سُنَّة' آیا ہے اور جس سیاق وسباق میں آیا ہے، اُس سے واضح ہے کہ یہ یہاں بطور اصطلاح نہیں، بلکہ لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، یعنی وہ طریقہ اور طرز عمل جو برابر اختیار کیے رکھا جائے۔ یہاں اِس سے مراد وہ طرز عمل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حین حیات مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے متعلق دین وشریعت کی ہدایات پر عمل کے لیے اختیار فرمایا۔ پھر یہی نہیں، اِس طرح کے معاملات میں اِس خوبی کے ساتھ اُن کی قیادت بھی فرمائی کہ اُن کی جمعیت میں کسی موقع پر کوئی انتشار پیدا نہیں ہونے دیا۔ عبد اللہ بن ابی اور بعض دوسرے منافقین کی طرف سے اٹھائے جانے والے فتنوں، خاص کر واقعۂ افک کے موقع پر آپ کا طرز عمل اِس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

۷۔ یعنی وہ لوگ اختیار کریں گے جو نظم اجتماعی کی اُس ذمہ داری کو ادا کرنے میں میرے جانشین بنیں گے جو اِس وقت میں نے اٹھا رکھی ہے۔ اِس سے، ظاہر ہے کہ وہ جلیل القدر صحابۂ کرام مراد ہوں گے جو آپ کے فوراً بعد اِس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے منتخب کیے گئے اور اجتماعی معاملات میں جن کا طرز عمل ٹھیک منہاج نبوت کے مطابق رہا۔ چنانچہ 'خلفاے راشدین' کی جو تعبیر اِس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی ہے، وہی اب اُن کا تعارف ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں اِس سے کون لوگ مراد لیے جاتے ہیں۔ اُن کا طرز عمل یہ تھا کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنے پیش رو کے ساتھ سمع وطاعت کا رویہ اختیار کیا اور اپنے زمانۂ حکومت میں دین کے محکمات کی اِس شان کے ساتھ حفاظت کی کہ ادنیٰ درجے میں بھی کوئی بدعت اُس میں راہ نہیں پا سکی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کا علم وحی کے ذریعے سے دیا گیا تھا۔ آپ نے اُن کے طرز عمل کی پیروی اختیار کرنے کی یہ ہدایت اِسی بنا پر فرمائی ہے۔ چنانچہ دین وشریعت کو ہر طرح کی آمیزش سے پاک رکھنے اور نظم اجتماعی کے معاملات میں اُن پر عمل کے لیے آپ کا اور آپ کے خلفاے راشدین کا یہی طرز عمل اب قیامت تک مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔

۸۔ یعنی ایسی بات نکالی جائے جس کا کوئی ذکر قرآن وسنت میں نہ ہوا ہو، مگر اُس صورت میں اور اُن حدود وشرائط

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے ساتھ نہ ہو جو بعد میں کوئی شخص اُس سے متعلق کر دے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۱۷۱۴۴ سے لیا گیا ہے۔ اِس واقعے کے راوی تنہا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تعبیر کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۷۱۴۲، ۱۷۱۴۵، ۱۷۱۴۶، ۱۷۱۴۷۔ سنن دارمی، رقم ۹۶۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۲، ۴۳۔ سنن ابی داود، رقم ۴۶۰۷۔ سنن ترمذی، رقم ۲۶۷۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۶۶۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۲، ۶۲۳۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۴۳۷، ۶۹۷، ۷۸۶، ۱۳۷۹، ۲۰۱۷۔ مستدرک حاکم، رقم ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۲۰۳۳۸۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۷۱۰۹، ۷۱۱۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۱۷۱۴۲۔

۴۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۷۱۰۹۔

۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۵۔

۶۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۳۔

۷۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۷۱۰۹ میں یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں: ’فَمَنْ أَدْرَكَ ذَاكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ‘ ”چنانچہ تم میں سے جو شخص وہ زمانہ پائے، اُس پر لازم ہے کہ وہی طریقہ اختیار کرے جو دین و شریعت پر عمل کے لیے میں نے اختیار کیا ہے اور جو میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاے راشدین اختیار کریں گے“۔

۸۔ مسند احمد، رقم ۱۷۱۴۵۔

المصادر والمراجع

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/ ١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان**. ط ٢. تحقيق:

شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٣٩٦هـ). **المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين**. ط١. تحقيق: محمود إبراهيم زايد. حلب: دار الوعى.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤١٥هـ). **الإصابة في تمييز الصحابة**. ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض. بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٦هـ/ ١٩٨٦م). **تقريب التهذيب**. ط١. تحقيق: محمد عوامة. سوريا: دار الرشيد.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٤هـ/ ١٩٨٤م). **تهذيب التهذيب**. ط١. بيروت: دار الفكر.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري**. د.ط. بيروت: دار المعرفة.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (٢٠٠٢م). **لسان الميزان**. ط١. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. د. م: دار البشائر الإسلامية.

ابن عدي أبو أحمد الجرجاني. (١٤١٨هـ/ ١٩٩٧م). **الكامل في ضعفاء الرجال**. ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، وعلي محمد معوض. بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن ماجه أبو عبد الله محمد القزوينى. (د. ت). **سنن ابن ماجه**. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. د. م: دار إحياء الكتب العربية.

أبو داود سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني. (د.ت). **سنن أبي داود**. د.ط. تحقيق: محمد محيي الدين عبد الحميد. بيروت: المكتبة العصرية.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤٢١هـ / ٢٠٠١م). **المسند**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط، وعادل مرشد، وآخرون. بيروت: مؤسسة الرسالة.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٢٤هـ/ ٢٠٠٣م). **السنن الكبرى**. ط٣. تحقيق: محمد عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٢٣هـ/٢٠٠٣م). **شعب الإيمان**. ط١. تحقيق: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد. الرياض: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع.

الترمذي أبو عيسٰى محمد بن عيسٰى. (١٣٩٥هـ/ ١٩٧٥م). **سنن الترمذي**. ط٢. تحقيق وتعليق: أحمد محمد شاكر، ومحمد فؤاد عبد الباقي، وإبراهيم عطوة عوض. مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفٰى البابي الحلبي.

الحاكم أبو عبد اللّٰه محمد بن عبد اللّٰه النيسابوري. (١٤١١هـ/ ١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين**. ط١. تحقيق: مصطفٰى عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية.

الحميدي، أبو بكر عبد اللّٰه بن الزبير بن عيسٰى القرشي الأسدي. (١٩٩٦م). **مسند الحميدي**. ط١. تحقيق وتخريج: حسن سليم أسد الدَّارَانيّ. دمشق: دار السقا.

الدارمي، أبو محمد عبد اللّٰه بن عبد الرحمٰن، التميمي. (١٤١٢هـ/ ٢٠٠٠م). **سنن الدارمي**. ط١. تحقيق: حسين سليم أسد الداراني. الرياض: دار المغني للنشر والتوزيع.

الذهبي شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٣٨٧هـ/ ١٩٦٧م). **ديوان الضعفاء والمتروكين وخلق من المجهولين وثقات فيهم لين**. ط٢. تحقيق: حماد بن محمد الأنصاري. مكة: مكتبة النهضة الحديثة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٤٠٥هـ/ ١٩٨٥م). **سير أعلام النبلاء**. ط٣. تحقيق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط. د.م: مؤسسة الرسالة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٤١٣هـ/ ١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**. ط١. تحقيق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية - مؤسسة علوم القرآن.

الذهبي شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد. (١٣٨٢هـ/ ١٩٦٣م). **ميزان الاعتدال في نقد الرجال**. ط١. تحقيق: علي محمد البجاوي. بيروت: دار المعرفة للطباعة والنشر.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (١٤٠٥هـ/ ١٩٨٤م). **مسند الشاميين**. ط١. تحقيق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (د. ت). **المعجم الأوسط**. د.ط. تحقيق: طارق بن عوض اللّٰه بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني. القاهرة: دار الحرمين.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (د. ت). **المعجم الكبير**. ط٢. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. القاهرة: مكتبة ابن تيمية.

المزي أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمٰن القضاعي، الكلبي. (١٤٠٠هـ/ ١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق: دكتور بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت سائب بن عثمان کے دادا کا نام مظعون اور پڑدادا کا حبیب تھا۔ قریش سے تعلق تھا، اپنے چھٹے جد جمح بن عمرو کی نسبت سے جمحی کہلاتے ہیں۔ کعب بن لؤی پر ان کا شجرۂ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے جا ملتا ہے۔ آپ مرہ بن کعب، جب کہ حضرت سائب ہصیص بن کعب کی اولاد میں سے تھے۔ ہصیص جمح کے دادا اور حضرت سائب بن عثمان کے آٹھویں جد تھے۔ حضرت سائب کی والدہ کا نام خولہ بنت حکیم تھا جو بنو سلیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ ضعیفہ بنت عاص ان کی نانی تھیں۔

بعثت سے کچھ عرصہ قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے قریب واقع جبل حرا کی غار میں مراقبہ و عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ آپ کے دیرینہ دوست حضرت ابوبکر نے آپ کا یہ معمول دیکھ کر پوچھا: کیا بات ہے کہ آپ قوم کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے، فرمایا: اللہ نے مجھے منصب رسالت پر فائز کیا ہے، آپ کو بھی اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ حضرت ابوبکر بلا تردد تصدیق و ایمان کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ دوسرے ہی دن وہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو آپ کی خدمت میں لے آئے۔ یہ اصحاب مسلمان ہو گئے تو حضرت ابوبکر ہی کی دعوت پر حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، ابھی آپ نے دار ارقم میں دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع نہ کیا تھا۔ حضرت سائب بن عثمان اپنے والد کے بعد مسلمان ہوئے۔ دعوت اسلامی کی طرف لپکنے والے اصحاب رسول کی فہرست میں جنھیں اللہ تعالیٰ

نے 'اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* کا نام دیا ہے، ان کا نمبر انتالیسواں (یا بیالیسواں) ہے۔

حضرت سائب بن عثمان کو ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔قریش کا سردار امیہ بن خلف ان کا چچا تھا، وہ انھیں اور ان کے اہل خانہ کو ایذائیں دینے میں پیش پیش تھا، اس لیے رجب ۵ ؍نبوی (۶۱۵ء) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر وہ حبشہ روانہ ہوئے۔عربوں کے اہل حبشہ کے ساتھ پہلے سے تجارتی روابط تھے۔ آپ نے فرمایا: وہاں ایسا بادشاہ حکمران ہے جس کی سلطنت ظلم سے پاک ہے۔سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن مظعون سمیت پندرہ (یا سولہ) مسلمان نصف دینار کرایہ پر ایک کشتی لے کر حبشہ روانہ ہوئے، حضرت عثمان بن مظعون مہاجرین کے اس پہلے قافلہ کے امیر تھے۔ چند ماہ کے بعد حضرت جعفر بن ابوطالب کی قیادت میں سڑسٹھ اہل ایمان کا دوسرا گروہ وہاں پہنچا۔حضرت سائب بن عثمان اس دوسرے قافلے کا حصہ تھے۔

شوال ۵ ؍نبوی میں قریش کے قبول اسلام کی افواہ حبشہ میں موجود مسلمانوں تک پہنچی تو انھوں نے سوچا کہ اگر ولید بن مغیرہ اور ابواحیحہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کر لیا تو پھر دشمن دین تو کوئی نہ رہا۔ ہمارے کنبے ہمیں محبوب تر ہیں، اس لیے ہم اپنے وطن واپس چلتے ہیں۔وہ کشتیوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ایک گھڑی کا سفر باقی تھا کہ کنانہ کا ایک قافلہ ملا۔قافلے والوں نے بتایا کہ محمد قریش کے خداؤں کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور قریش مسلمانوں پر بدستور ستم کر رہے ہیں۔ یہ سن کر ان اصحاب نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اتنے قریب آ کر مکہ سے لوٹنا مناسب نہیں۔ حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سائب بن عثمان، ان کے والد حضرت عثمان بن مظعون، ان کے چچا حضرت قدامہ بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن مظعون ان تینتیس اصحاب میں شامل تھے جو مکہ میں داخل ہو گئے۔ جب واپس آنے والے صحابہ پر مشرکین مکہ نے پہلے سے بڑھ کر ظلم وستم ڈھانے شروع کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دوسری بار حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ابن سعد کے بیان کے مطابق اس بار تراسی صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔اس طرح مہاجرین کی کل تعداد ایک سو نو ہو گئی۔ابن سعد مزید بتاتے ہیں کہ جب مہاجرین حبشہ کو اہل ایمان کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی خبر ملی تو تینتیس مردوں اور آٹھ عورتوں نے مکہ واپسی کی راہ لی۔ان میں سے دو نے مکہ میں وفات پائی اور سات کو اہل شرک نے اپنی حراست

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

میں لے لیا۔

۱۲ر نبوی: مشرکین کی زیادتیاں برداشت کرتے مزید سات برس گزر گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگی کٹھن ہو گئی تو اللہ کے حکم سے آپ نے صحابہ کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دے دیا۔ صحابہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں مکہ سے نکلنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عمرو بن ام مکتوم مدینہ پہنچے، پھر حضرت عمار بن یاسر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت بلال نے ہجرت کی (بخاری، رقم ۳۹۲۵)۔ ان کے بعد حضرت ابوسلمہ، حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت ام عبداللہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت سائب بن عثمان، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت ابوحذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جحش نے شہر ہجرت کا رخ کیا۔ حضرت عمر بیس افراد کے قافلہ کے ساتھ مدینہ آئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر کی آمد ہوئی۔ حضرت سائب نے مکہ کے گھر کو تالا لگا کر پورے کنبے سمیت ہجرت کی۔ حضرت سائب بن عثمان، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون اور حضرت معمر بن حارث مدینہ میں حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے مہمان ہوئے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مدینہ تشریف آوری کے پانچ ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک کے گھر تشریف لائے اور مہاجرین وانصار میں مواخات قائم فرمائی۔ آپ نے کل پینتالیس مہاجرین کو اتنے ہی انصار کا بھائی بند قرار دیا۔ یہ بھائی چارہ محدود نہ تھا، مدنی زندگی کے ابتدائی دو سال میں مہاجر وانصار بھائی ایک دوسرے کی وراثت بھی پاتے رہے۔ اس موقع پر آپ نے حضرت سائب بن عثمان کو حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری کا بھائی قرار دیا۔ حضرت حارثہ نے غزوۂ بدر میں شہادت پائی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسم کو مدینہ ہجرت کیے دوسرا سال تھا کہ فرمان خداوندی نازل ہوا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا، وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ. (الحج ۲۲: ۳۹)

”(قتال کی) اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔“

اس اذن ربانی کے بعد غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہوا۔

ربیع الاول ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ سو آدمیوں اور اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل قریش کا ایک قافلہ امیہ بن خلف کی قیادت میں مدینہ کے پاس سے گزرنے والا ہے۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ آپ حضرت

سائب بن عثمان کو مدینہ کا نائب عامل مقرر فرما کر، دوسو اصحاب کے جلو میں قافلے کا راستہ روکنے کے لیے مدینہ سے نکلے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے آپ کا علم تھام رکھا تھا۔ مدینہ سے مکہ جانے والے راستے پر سات دن کے پیدل سفر یا چار برید (اڑتالیس میل) کی مسافت پر واقع جبل رضوی اور ذی خشب کے نواح میں، جہینہ کے پہاڑی علاقے بواط تک آپ گئے اور چند روز قیام کیا تاہم قافلے کا سامنا کرنے کی نوبت نہ آئی۔ واقدی اور طبری کی روایت ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کو قائم مقام حاکم مقرر فرمایا۔

رجب (۶۲۳ء) میں سریۂ عبداللہ بن جحش ہوا جس میں کشمش، کھالیں اور دیگر سامان تجارت لے کر شام سے آنے والے قافلے کا سردار عمرو بن حضرمی مارا گیا اور مال تجارت عہد اسلامی کی پہلی غنیمت بن گیا۔ شام کا تجارتی راستہ غیر محفوظ ہو جانے سے قریش کی معیشت کو سخت دھچکا لگا۔ حبشہ اور یمن سے تجارت پر وہ انحصار نہ کر سکتے تھے، کیونکہ اس کا حجم بہت کم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان ۲ھ میں انھوں نے ابن حضرمی کا بدلہ لینے کے لیے اور شام سے آنے والے ابوسفیان کے نئے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے طبل جنگ بجا دیا۔ چنانچہ ۱۷/ رمضان ۲ھ (۱۳/ مارچ ۶۲۴ء) کو مدینہ سے ایک سو ساٹھ میل دور میدان بدر میں وہ عظیم الشان معرکہ برپا ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے یوم فرقان قرار دیا۔ حضرت سائب بن عثمان اپنے والد حضرت عثمان بن مظعون اور چچاؤں حضرت عبداللہ بن مظعون اور حضرت قدامہ بن مظعون کے ساتھ اس غزوہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بہ شانہ شریک رہے۔ حضرت سائب کا شمار ان اصحاب رسول میں ہوتا ہے جو تیر اندازی میں ماہر تھے۔ کچھ اہل تاریخ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں حضرت سائب بن عثمان نے نہیں، بلکہ ان کے ہم نام چچا حضرت سائب بن مظعون نے شرکت کی۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ہشام بن محمد کلبی کا وہم ہے، ان کے سوا تمام اہل سیر کا حضرت سائب بن عثمان کے نام پر اتفاق ہے۔

ہجرت کو دو سال گزرے تھے کہ حضرت سائب کے والد حضرت عثمان بن مظعون نے مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ وہ پہلے صحابی تھے جنھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت سائب بن عثمان اور حضرت معمر بن حارث قبر میں اترے، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے پر کھڑے رہے۔

حضرت سائب بن عثمان جنگ احد، جنگ خندق اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔

روایات میں حضرت سائب بن عثمان کے ایک بھائی اور ایک بہن کا ذکر ملتا ہے۔ بہن کا نام بتایا نہیں گیا، جب کہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بھائی کا نام ابن سعد نے عبدالرحمٰن، اور ابن عبدالبر اور ابن اثیر نے عبداللہ لکھا ہے۔

۱۲ھ: حضرت سائب بن عثمان نے عہد صدیقی میں ہونے والی جنگ یمامہ میں شرکت کی۔ اسی معرکے میں وہ تیر کا نشانہ بننے سے شہید ہوئے۔ ان کی عمر تیس برس سے کچھ اوپر تھی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، سیر اعلام النبلا (ذہبی)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ابن حجر)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مقالات

ڈاکٹر عرفان شہزاد

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات

نمایاں اعتراضات کا جائزہ

(۵)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کیا رسول قتل ہو سکتے ہیں؟

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی قوم پر دنیوی عذاب آنے سے پہلے رسول نہ صرف فوت ہو سکتا ہے، بلکہ اس کا قتل بھی ممکن ہے:

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ. (الرعد ۱۳: ۴۰)

''ہم جو وعید اِنھیں سنا رہے ہیں، اُس کا کچھ حصہ ہم تمھیں دکھا دیں گے یا تم کو وفات دیں گے (اور اِس کے بعد اِن سے نمٹیں گے)۔ سو تمھاری ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور اِن کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔''

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ. اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ. (الزخرف ۴۳: ۴۱-۴۲)

''اب تو یہی ہوگا کہ یا ہم تمھیں اٹھا لیں گے، پھر اِن سے ضرور بدلہ لیں گے۔ یا جس (عذاب) کا وعدہ ہم نے اِن سے کیا ہے، وہ (تمھارے اِس دنیا میں

ہوتے ہوئے) تم کو لا دکھائیں گے، اِس لیے کہ ہم اِن پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔''

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (آل عمران ۳:۱۴۴)

''محمد ایک رسول ہی ہیں۔ (اُن کے شہید ہو جانے کی خبر نے تمھارے قدم ڈگمگا دیے)۔ اُن سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، (اور موت وحیات کے یہ مراحل اُن پر بھی آئے)۔ پھر کیا وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (یاد رکھو)، جو الٹا پھرے گا، وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور اللہ عنقریب اُن کو صلہ دے گا جو ہر حال میں اُس کے شکر گزار رہے ہیں۔''

آخرالذکر آیت غزوۂ احد کے تناظر میں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ پھیلی اور مسلمان بددل ہو کر منتشر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ نہیں کہا کہ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا تھا، پھر تم لوگ ہمت کیوں ہار بیٹھے، بلکہ یہ کہا کہ رسول اگر فوت یا قتل ہو جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

چونکہ اس وقت تک آپ کی قوم پر اتمام حجت ہو چکا تھا، جیسا کہ قرآن مجید کی اس دور کی سورتوں سے واضح ہے، اس لیے آپ کے فوت یا نعوذ باللہ قتل ہونے کا امکان، از روے آیات مذکورہ، موجود تھا، اگرچہ شریعت مکمل نہیں ہوئی تھی، چنانچہ اگر شریعت کی تکمیل سے پہلے آپ فوت یا قتل ہو جاتے تو ممکن تھا کہ مزید کسی نبی یا رسول کو بھیج کر شریعت کی تکمیل کرائی جاتی، مگر اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، البتہ اتمام حجت سے پہلے رسول کی موت یا قتل نہیں ہو سکتا، ورنہ اس کا مقصد بعثت ہی پورا نہ ہو سکے گا۔

حقیقتاً کوئی رسول قتل ہوا ہے یا نہیں، تو قرآن میں موجود رسولوں کے تذکروں میں ایسا کوئی واقعہ ہمیں نہیں ملتا۔ البتہ قرآن کی ایک آیت رسولوں کے قتل کا ذکر کرتی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اُس کے پیچھے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے تھے، اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو (ان سب کے بعد) کھلی کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے اُس کی تائید کی (تو جانتے ہو کہ اُن کے ساتھ تمھارا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ. (البقرہ۲: ۸۷)

رویہ کیا رہا)؟ پھر کیا یہی ہوگا کہ جب بھی (ہمارا) کوئی پیغمبر وہ باتیں لے کر تمھارے پاس آئے گا جو تمھاری خواہشوں کے خلاف ہوں گی، تو تم (اُس کے سامنے) تکبر ہی کرو گے؟ پھر ایک گروہ کو جھٹلا دو گے اور ایک گروہ کو قتل کرو گے۔‘‘

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاتھوں رسول قتل ہوئے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اصطلاحی رسولوں میں سے صرف دو ہی رسول بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے: ایک موسیٰ اور دوسرے عیسیٰ علیہما السلام، اور دونوں ہی قتل نہیں ہوئے، تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں کن رسولوں کے قتل ہونے کا ذکر ہوا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں رسول اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں، بلکہ لفظی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس پر مفصل بحث پہلے گزر چکی کہ قرآن، رسول اور نبی کے الفاظ کو ان کے لفظی معنی میں بھی استعمال کرتا ہے اور اصطلاحی معنی میں بھی، چونکہ یہاں انذار، حجت اور عذاب کا کوئی ذکر نہیں، اس لیے اصطلاحی رسول مراد لینے کی کوئی قید نہیں ہے۔

رسولوں کے غلبے کا مطلب سیاسی غلبہ نہیں

ایک عام غلط فہمی رسول کے غلبے کو سیاسی غلبے کے مترادف سمجھنے کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيۡ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيۡزٌ. (المجادلہ ۵۸: ۲۱)

’’اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑے زور والا اور بڑا زبردست ہے۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ اکثر رسولوں کو سیاسی غلبہ نہیں ملا۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور رسول کے سیاسی غلبے کا ذکر موجود نہیں۔ اس لیے محولہ بالا آیت جو اصولی طور پر تمام رسولوں کے غلبے کا ذکر کرتی ہے، اس سے رسولوں کا سیاسی غلبہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ رسول کے غلبے کا مطلب درحقیقت رسول کے منکرین اور معاندین کا خدائی عذاب کے آگے مغلوب ہو جانا ہے۔ اکثر رسولوں کا یہ غلبہ ان کے منکرین پر قدرتی طاقتوں کے ذریعے سے آنے والے عذاب سے حاصل ہوا، جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ غلبہ سیاسی غلبے کی شکل اختیار کر گیا۔ ایسا کیونکر ہوا؟ اس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

رسول کا سیاسی غلبہ، منصب رسالت کا کوئی جز و نہیں ہے۔ قرآن مجید نے منصب رسالت کے جو فرائض بتائے ہیں، ان میں رسول کا اصل کام اپنی قوم کو انذار کرنا اور انذار کا ابلاغ آخری درجے کی حد تک کرنا ہے کہ مخاطبین کے پاس انکار کا کوئی عذر نہ رہے۔ یعنی اتمام حجت کرنا رسول کا اولین منصب ہے:

مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ. (المائدہ ۵:۹۹)

''پیغمبر پر تو صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ چھپاتے ہو۔''

فَھَلۡ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ. (النحل ۱۶:۳۵)

''سو رسولوں پر تو صاف صاف پہنچا دینے ہی کی ذمہ داری ہے۔''

رسول کا دوسرا کام اس پیغام الٰہی کی قبولیت کے نتیجے میں ایمان لانے والوں کو ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے عبادت اور اطاعت الٰہی کے طریقے سکھا کر ان کا تزکیہ اور تطہیر کرنا ہے، جب کہ پیغامِ الٰہی کے منکرین کا استیصال خدا کا کام ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ. (الرعد ۱۳:۴۰)

''سو تمھاری ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور اِن کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔''

رسول کے اول الذکر اور ثانی الذکر، دونوں فرائض کا جامع تذکرہ درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے:

کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَیُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَ یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ. (البقرہ ۲:۱۵۱)

''چنانچہ (یہی مقاصد ہیں جن کے لیے) ہم نے ایک رسول تم میں سے تمھارے اندر بھیجا ہے جو ہماری آیتیں تمھیں سناتا ہے اور تمھارا تزکیہ کرتا ہے اور (اِس کے لیے) تمھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور (اِس طرح) وہ چیزیں تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

جہاں تک سیاسی غلبے کا تعلق ہے تو کارِرسالت کے بیان میں نہ صرف اس کو کوئی جگہ نہیں دی گئی، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر منصب رسالت کے لیے اس کی نفی کی گئی ہے:

وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡھِمۡ بِجَبَّارٍ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ. (ق ۵۰:۴۵)

''اور (یاد رکھو کہ) تم اِن پر کوئی داروغہ مقرر نہیں کیے گئے ہو۔ سو قرآن کے ذریعے سے یاد دہانی کرو

اُنھیں جو میری تنبیہ سے ڈرتے ہوں۔‘‘

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ. لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ. (الغاشیہ ۸۸: ۲۱-۲۲)

’’تو تم یاددہانی کر دو، (اے پیغمبر)، تم یاددہانی کرنے والے ہی ہو۔ تم اِن پر کوئی داروغہ نہیں ہو۔‘‘

سیاسی غلبہ اگر رسالت کا حصہ ہوتا تو ہر رسول کو لازمی ملتا، چونکہ نہیں ملا، اس لیے یہ منصب رسالت کا حصہ ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی قانون اتمام حجت کا کوئی جزو ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی غلبہ کی حیثیت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مخالفین پر جو سیاسی غلبہ ملا، اس کی حیثیت کیا ہے؟ تو قرآن مجید پر تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ غلبہ منصب رسالت کے تحت نہیں ملا، یہ غلبہ دراصل ذریت ابراہیم کو ایک خاص قانون الٰہی کے تحت ملا تھا، جس کی تفصیل پیش تر گزر چکی، اور آپ ذریت ابراہیم کے سربراہ کی حیثیت سے اس عہدہ پر متمکن ہوئے۔ ذریتِ ابراہیم سے خدا نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ ایمان وعمل کے مطلوبہ معیار پر پورے اترے تو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی سیاسی غلبے اور مالی خوش حالی کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سیاسی غلبے کا وعدہ جہاں بھی کیا گیا ہے، وہ رسولوں کے ساتھ نہیں، بلکہ ان کی قوموں کے براہ راست مومنین کے ساتھ کیا گیا ہے۔

پہلے یہ معاملہ ذریت ابراہیم کی ایک شاخ، بنی اسرائیل کے ساتھ کیا گیا، جن کی سربراہی مختلف پیغمبر اور بادشاہان کرتے رہے، اب ذریت ابراہیم کی دوسری شاخ، بنی اسماعیل دین کے اس خاص منصب شہادت کے لیے چنے گئے تھے، اس لیے ایمان واطاعت کے مطلوبہ معیار کو پورا کرنے پر سیاسی غلبے کا معاملہ ان کے ساتھ ہونا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنی اسماعیل میں سے تھے اور بنی اسماعیل کی دینی اور سیاسی امامت وقیادت اس وقت آپ کے ہاتھ تھی، اس لیے بنی اسماعیل کے غلبے کی ابتدا آپ سے ہوئی۔ سیاسی غلبہ کی بشارت دینے والی آیات کا اسلوب دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ جمع کے صیغے میں ہیں اور پوری جماعت صحابہ سے مخاطب ہیں؛ نیز وہ آیات بھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے وقت میں آپ کی قائم کردہ ریاست سے متعلق ہیں، وہاں بھی ایک رسول کو مخاطب کرنے کے بجائے پوری جماعت کو مخاطب کر کے احکامات دیے گئے ہیں۔ مثلاً:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ

’’یہ وہی ہیں کہ جن کو اگر ہم اِس سرزمین میں اقتدار

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. (الحج ۲۲: ۴۱)

بخشیں گے تو نماز کا اہتمام کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور بھلائی کی تلقین کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ (اللہ ضرور اُن کی مدد کرے گا) اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبہ ۹: ۵)

''(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہونے والے اتمام حجت کے نتیجے میں آپ کے منکرین کو دی جانے والی سزا کا نفاذ آپ نے بہ حیثیت رسول نہیں، بلکہ بہ حیثیت سربراہِ ذریت ابراہیم کیا تھا، اس لیے کہ منکرین کے استیصال اور اہل کتاب کو محکوم بنانے کا کام اصلاً رسول کا نہیں، بلکہ ذریتِ ابراہیم کا منصب تھا، جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ. (التوبہ ۹: ۱۴)

''اُن سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے اُن کو سزا دے گا اور اُنھیں ذلیل و خوار کرے گا اور تمھیں اُن پر غلبہ عطا فرمائے گا اور مومنوں کے ایک گروہ کے کلیجے (اِس سے) ٹھنڈے کرے گا۔''

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ. (التوبہ ۹: ۲۹)

''(اِن مشرکوں کے علاوہ) اُن اہل کتاب سے بھی لڑو جو نہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اُس کے رسول کے حرام ٹھیرائے ہوئے کو حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (اُن سے لڑو)، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ماتحت بن کر رہیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

غرض یہ کہ ذریتِ ابراہیم کے سیاسی غلبے کی ابتدا آپ سے کرا دی گئی، جس کی تکمیل آپ کے خلفا کے ہاتھوں ہوئی، جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلفا کے ذریعے سے اس سنت الٰہی کا اظہار بنی اسرائیل کے لیے ہوا تھا۔

مسیح کی بادشاہت

اناجیل میں مسیح علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کہا گیا تھا۔ مثلاً انجیل لوقا میں ہے:

''پیلاطوس نے اس سے پوچھا کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟ اس نے اس کے جواب میں کہا تو خود کہتا ہے۔''

(لوقا ۲۳:۳)

''سپاہیوں نے بھی پاس آکر اور سرکہ پیش کر کے اس پر ٹھٹھا مارا اور کہا کہ اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ اور ایک نوشتہ بھی اس کے اوپر لگا دیا تھا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے۔'' (لوقا ۲۳: ۳۶-۳۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کا بنی اسرائیل کا ممکنہ بادشاہ ہونے کا تصور معروف تھا۔ نیز اناجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اس الزام کا رد بھی نہیں کیا۔

یہاں دو اشکال پیش کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اگر رسولوں کے غلبے کا مطلب ان کا سیاسی غلبہ ہے تو مسیح کو سیاسی غلبہ کیوں نہ ملا؛ دوسرا یہ اگر مسیح کی بادشاہت کوئی الگ خاص معاملہ تھا، کوئی خدائی پیشین گوئی تھی اور وہ ان کے وقت میں پوری نہ ہو پائی تھی تو پھر یہ پیشین گوئی دنیا میں ان کی آمد ثانی کے وقت پوری ہو گی۔ اس سے مسیح کی آمد ثانی کا مزید جواز بھی مہیا کیا گیا۔

ہم اس معاملے کو قانون اتمام حجت کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ رسول کے سیاسی غلبے کی مذکورہ بالا بحث سے رسول کے غلبے کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ غلبہ سیاسی غلبہ نہیں ہوتا، اس لیے مسیح کے لیے بھی بہ حیثیت رسول سیاسی غلبہ قانون اتمام حجت کی رو سے ہونا ضروری نہیں تھا۔ تاہم اناجیل میں ان کے لیے 'بادشاہی' کے لفظ سے ان کا سیاسی غلبہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اگر بنی اسرائیل، مسیح پر ایمان لے آتے اور ان کی اطاعت اختیار کر لیتے تو ذریت ابراہیم کو حسب وعدۂ الٰہی سیاسی غلبہ ملتا اور مسیح ان کے سربراہ کی حیثیت سے ان کے حکمران ہوتے، بالکل اسی طرح جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں بنی اسماعیل کو سیاسی غلبہ ملا۔ لیکن بنی اسرائیل نے مسیح کا انکار کر دیا، اس لیے دنیوی سیادت کا موقع انھوں نے گنوا دیا اور مسیح علیہ السلام، بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بناہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ گویا مسیح کی بادشاہت کی پیشین گوئی درحقیقت پیشین گوئی نہیں، بلکہ مشروط بشارت تھی جس کو بنی اسرائیل نے ضائع کر دیا۔ البتہ رسولوں کا غلبہ جو کہ قانونِ الٰہی تھا، وہ مسیح کے لیے بھی برپا ہو کر رہا، مسیح کے منکرین پر بھی عذاب نازل ہوا، وہ محکوم ہوئے، در بدر ہوئے، تاہم ان پر استیصال کا عذاب اس لیے نہیں آیا کہ وہ مشرک نہیں، موحد تھے اور استیصال جانتے بوجھتے شرک کرنے پر آتا ہے۔ مزید یہ کہ رسولوں کے انکار اور قتل پر بنی اسرائیل پر ذلت کی سزا مسلط کیے جانا، قانون الٰہی تھا، اس پر مفصل بحث پیش تر گزر چکی۔

ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ سیاسی غلبہ تو مسیح کے ساتھیوں کو بھی نہیں ملا، حالاں کہ رسول کے ساتھیوں کو غلبے کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کے ساتھیوں کو سیاسی غلبے کی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے کہ وہ خاطر خواہ افرادی قوت کے حامل ہوں تاکہ سیاسی غلبہ قائم کر سکیں۔ اتمام حجت کے بعد انسانی ہاتھوں کے ذریعے سے دنیوی سزا دینے کا معاملہ بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ رسول کے ساتھی خاطر خواہ تعداد میں موجود ہوں، ورنہ پہلے یہ ہوتا رہا کہ منکرین رسول کی قدرتی طاقتوں کے ذریعے سے تباہی کے بعد رسولوں کے ساتھی دنیا میں اپنا وقت امن واطمینان کے ساتھ گزار کر رخصت ہوجاتے رہے، جیسا کہ نوح، صالح، شعیب علیہم السلام وغیرہ کے ساتھیوں کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔ پھر یہ کہ مسیح کے معاملے میں تو بنی اسرائیل ہی ان کے مقابل کھڑے ہو گئے تھے جن کے لیے مسیح کی پیروی کی صورت میں مسیح کی بادشاہت اور ان کے سیاسی غلبے کی بشارت تھی۔ بنی اسرائیل نے اپنا موقع ضائع کیا جس طرح ان سے پہلے رسولوں کی قوموں نے بہ صورت ایمان زمین و آسمان کی برکتوں سے نزول کے موقع کو ضائع کیا اور اپنے لیے خسارے کا سودا کیا۔

بالکل یہی خدائی اسکیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے قریش، یعنی بنی اسماعیل کو دی گئی تھی۔ آپ بھی قریش کو یہی فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو عرب وعجم تمھارے مطیع ہو جائیں گے، لیکن قریش نے آپ کی دعوت اور اس سے متعلقہ فوائد ٹھکرا دیے تھے اور پھر وہ ذلیل ہوئے۔ تاہم ان میں جو ایمان لائے ان کی تعداد اتنی ہو گئی تھی کہ دنیوی سیاسی غلبے کا وعدہ ان کے حق میں پورا ہو گیا۔

اب جب یہ طے ہو جاتا ہے کہ رسول کا سیاسی غلبہ، منصب رسالت کا جزو نہیں ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی غلبے کو اسوۂ رسول یا سنت رسول قرار دے کر، اس مثال کی پیروی کرنے کو کسی بھی درجے میں دینی فریضہ سمجھنا بھی ایک غلط فہمی ہے۔ یہ سیاسی طور پر خود کو رسالت کے منصب پر بٹھا لینے کے مترادف ہے۔ ذریت ابراہیم کے لیے سیاسی غلبہ وسرفرازی کے خاص وعدوں کو عام سمجھ کر ان کے بھروسے پر افراد کی قلیل تعداد پر مشتمل پرائیویٹ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عسکری گروہ بنا کر حصول حکومت کے لیے مہمات برپا کرنا اور اس پر فتح و نصرت الٰہی کی امیدیں لگا بیٹھنا سوء فہم اور وقت، توانائیوں اور انسانی جانوں کی تلفی کا رایگاں مصرف ہے۔

ہمارے اس بیان سے مسلمانوں کے کسی گروہ کے لیے حصولِ حکومت کی سیاسی جدوجہد کی نفی کرنا مقصود نہیں، سیاسی جدوجہد کا فیصلہ، کسی علاقے کے مسلمانوں کا اپنا مقامی اور بعض صورتوں میں بین الاقوامی معاملہ ہوسکتا ہے۔ وہ اپنے حالات کے مطابق یہ طے کر سکتے ہیں کہ پرامن رہتے ہوئے، حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، انھیں کن خطوط پر اپنی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ یہ جدوجہد بعض صورتوں میں نہایت ضروری اور ناگزیر بھی ہوسکتی ہے، لیکن حصولِ حکومت اور اس کے لیے سیاسی جدوجہد کو دینی فریضہ سمجھنا دین میں خودساختہ اضافہ ہے۔ البتہ، مسلمانوں کو جب کہیں سیاسی غلبہ حاصل ہو جائے تو ان پر لازم ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مسلم اجتماعیت سے متعلق دینی احکامات کو بروے کار لائیں، اگر اس میں وہ کوتاہی برتیں گے تو قرآن مجید کی رو سے کافرانہ، فاسقانہ اور ظالمانہ فعل کے مرتکب قرار پاتے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. (المائدہ ۵:۴۴)

”اور (یاد رکھو کہ) جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی منکر ہیں۔“

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (المائدہ ۵:۴۵)

”اور (یہ بھی کہ) جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔“

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (المائدہ ۵:۴۷)

”جو اللہ نے اُس میں نازل کیا ہے اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی فاسق ہیں۔“

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کیا جزیرۂ عرب میں محمد رسول اللہ اور صحابہ کا قتال صرف جارحین کے خلاف تھا؟

بعض حضرات کا خیال ہے کہ فتح مکہ اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کی جنگیں جن کا ذکر سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں بھی آیا ہے، صرف جارح مشرکین و اہل کتاب کے خلاف تھیں، یعنی صرف ان کے خلاف جو آمادۂ جنگ تھے۔ یہ خیال قرآن کی واضح نصوص اور مسلمہ تاریخی شواہد کے خلاف ہے۔ پہلے قرآن کی نصوص دیکھیے:

سورۂ توبہ میں پہلی آیت ہی تمام مشرکین کے ساتھ کیے گئے معاہدات سے اعلان براءت کرتی ہے:

بَرَآءَ ةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (التوبہ ۹:۱)

''اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکوں کے لیے اعلان براءت ہے جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔''

پھر دوسری آیت ان معاہدین کو چار ماہ کی مہلت دیے جانے کا اعلان کرتی ہے، جس کے بعد ان پر فیصلہ کن حملے کا اعلان کیا جانا ہے:

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ. (التوبہ ۹:۲)

''سو، (اے مشرکین عرب)، اب ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہ اللہ (اپنے پیغمبر کا) انکار کرنے والوں کو رسوا کر کے رہے گا۔''

پھر حج کے ایام میں ایک بار پھر اعلان عام کرایا گیا کہ اب مشرکین کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں رہا اور انھیں اشہر حرم، یعنی ذوالحج سے محرم کے اختتام تک تقریباً ۵۰ دن کی مہلت دے کر ان پر جنگ مسلط کرنے کا حکم دیا گیا:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. (التوبہ ۹:۳)

''(پھر حج کا موقع آئے تو اِس سر زمین کے) سب لوگوں تک پہنچانے کے لیے بڑے حج کے دن اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلان عام کر دیا جائے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اُس کا رسول بھی۔ اب اگر تم لوگ توبہ کر لو تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ پھیرو گے تو جان لو کہ تم اللہ سے بھاگ نہیں سکتے۔ (اے پیغمبر)، اِن منکروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔''

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبہ ۹:۵)

''(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن

کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

یہاں پہلی آیت کا حکم دہرایا گیا ہے۔ پہلا حکم چار ماہ کی مہلت ان معاہد مشرکین کو دیتا ہے جن تک یہ پیغام پہنچانا ممکن تھا، یعنی مسلمانوں کے قریب کے علاقے میں رہنے والے مشرکین۔ آیت ۳ میں دیا جانے والا حکم اب جزیرۂ عرب کے تمام مشرکین کے لیے تھا، اسی لیے اس کے لیے ایام حج کا انتظار کیا گیا تاکہ جب سارے جزیرۂ عرب سے لوگ یا ان کے نمایندے مسجد حرام میں اکٹھا ہو جائیں تو یہ اعلان سن کر اپنے بارے میں فیصلہ کر لیں کہ انھوں نے اسلام قبول کرنا ہے، ملک چھوڑ جانا ہے یا پھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر کے اپنی زندگی یا موت کا فیصلہ کرنا ہے۔

آیت ۱ اور ۳ میں بیان کردہ الفاظ کی عمومیت میں تمام معاہدات شامل ہو سکتے تھے، چاہے وہ معینہ مدت کے لیے کیے گئے ہوں یا غیر معینہ مدت کے لیے، نیز وہ معاہدات بھی جن کی خلاف ورزی کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ لیکن آگے آیت ۴ میں کچھ معاہدات کا استثنا بیان کر دیا گیا:

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ. (التوبہ ۹: ۴)

''وہ مشرکین، البتہ (اس اعلان براءت سے) مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا، پھر اُس کو پورا کرنے میں اُنھوں نے تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی ہے۔ سو اُن کا معاہدہ اُن کی مدت تک پورا کرو، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں۔''

یہاں ان معاہدات کو پورا کرنے کا کہا گیا ہے جن میں دو باتیں پائی جائیں: ایک یہ کہ ان کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، اور دوسرا یہ کہ وہ معینہ مدت کے لیے کیے گئے ہوں۔ جناب غامدی صاحب کے مطابق آیت ۱ اور ۳ اور آیت ۴ میں بیان کردہ معاہدات میں فرق صرف معینہ مدت اور غیر معینہ مدت کے معاہدات کا ہے۔ آیت ۴ میں کلام معینہ معاہدات کے لیے آیا ہے، ان معاہدات کے پورا کرنے کے لیے البتہ مزید شرط یہ عائد کی گئی ہے کہ ان کی خلاف ورزی بھی نہ کی گئی ہو؛ جب کہ معاہدے کی خلاف ورزی پر تو حکم پہلے سے موجود تھا۔ سورۂ انفال میں کہا گیا تھا کہ محض خلاف ورزی ہی نہیں، بلکہ خلاف ورزی کے قوی اندیشے کی صورت میں خلاف ورزی سے پہلے ہی معاہدہ ختم کیا جا سکتا ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ. (الانفال ۸:۵۸)

''(تم لوگ، البتہ ہر حال میں عہد کی پابندی کرو) اور اگر کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اُن کا عہد اُسی طرح برابری کے ساتھ اُن کے آگے پھینک دو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

چنانچہ سورۂ توبہ کی زیر بحث آیت میں کلام، معینہ مدت کے معاہدات کے بارے میں فیصلہ دینے کے لیے آیا ہے، جب کہ پہلی آیت غیر معینہ مدت کے معاہدات کے اختتام کا اعلان کرتی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ آیت ۴ میں بیان کردہ معاہدات کے استثنا سے وہ معاہدات مراد ہیں جن کی خلاف ورزی کی گئی ہو، چاہے وہ معینہ مدت کے لیے ہوں یا غیر معینہ مدت کے لیے۔ اس رائے پر ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاہدات اگر صرف نقض عہد ہی کی بنا پر ختم کیے گئے تھے تو ایسے معاہدات کا کیا حکم ہوگا جو غیر معینہ مدت کے لیے ہوں اور اس کی خلاف ورزی بھی نہ کی گئی ہو؟ کیا وہ ہمیشہ چلتے رہتے؟ اگر ایسا ہوتا تو جزیرۂ عرب کے مشرکین پر اہل ایمان کی تلواروں سے آنے والے عذاب سے انھیں ہمیشہ کے لیے استثنا مل جاتا اور ایسا خدا کی سکیم میں ہونا درست نہ ہوتا۔ خدا کی سنت یہی چلی آ رہی ہے کہ رسول کے اتمام حجت کے بعد آنے والے دنیوی عذاب سے کوئی مشرک بچ نہیں سکتا۔ دوسرا یہ کہ خدا نے جزیرۂ عرب کو اسلام کے لیے خالص سرزمین بنانا تھا اور اس کے لیے شرک اور مشرکین کا استیصال ہونا ضروری تھا، یہ استثنا اس مقصود خداوندی کو بھی پورا نہ ہونے دیتا۔ اہل کتاب کو، البتہ، استثنا حاصل تھا جس پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔

ہمارے نزدیک غامدی صاحب کی رائے درست ہے۔ اس کے حق میں ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ آیت ۱ اور ۳ میں غیر معینہ معاہدات ختم کرنا مراد لینے سے ہی یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مشرکین کو مہلت دی جائے۔ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے پر مفسدین کو مہلت دے کر حملہ کرنے کو قانون کے طور پر بیان کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، ایسوں پر تو فوراً حملہ کرنے کا جواز موجود تھا۔ یہ مہلت غیر معینہ معاہدات ختم کرنے کے بعد مشرکین کو سوچنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لیے دیے جانا ہی درست معلوم ہوتا ہے کہ اب انھوں نے اسلام قبول کرنا ہے یا صحابہ کی تلواروں کی صورت میں آنے والے عذاب الٰہی کا سامنا کرنے کا حوصلہ کرنا ہے۔

غرض یہ کہ سورۂ توبہ کی آیت ۱ میں بیان کردہ معاہدات سے غیر معینہ مدت کے معاہدات، جن کی خلاف ورزی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، ہی مراد لیے جانا درست معلوم ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معاملہ اگر صرف جارحیت کا ہوتا تو قرآن مجید میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب یہ منکرین اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں، مطیع ہو کر رہنا قبول کر لیں، جیسا کہ اہل کتاب نے قبول کر لیا تھا، تو ان کو چھوڑ دو۔ لیکن غور کیجیے آیت یہ بیان کر رہی ہے کہ ان مشرکین کی گلوخلاصی کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ اسلام قبول کریں اور اس کے ثبوت کے لیے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کریں، تب ہی جان چھوٹے گی:

فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ. (التوبہ ۹: ۵)

’’(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دوسری طرف جن مشرکین کے ساتھ معینہ مدت کے معاہدات تھے، ان کے لیے حکم تھا کہ معاہدات اپنی مدت تک پورے کیے جائیں اور اب ان کے ساتھ نئے معاہدات نہ کیے جائیں:

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ. (التوبہ ۹: ۷)

’’اللہ اور اُس کے رسول کے ہاں اِن مشرکوں سے کوئی عہد کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ ہاں جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس (حدیبیہ میں) عہد کیا تھا، سو جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں۔‘‘

یعنی کوئی راستہ نہیں چھوڑا گیا، اگر انھوں نے جزیرۂ عرب میں رہنا ہے تو اسلام قبول کر کے رہنا ہوگا۔

بعض لوگوں نے اسی سورہ کی آیت ۶ سے مشرکین کے لیے امن سے زندہ رہنے کی گنجایش سمجھی ہے۔ آیت ملاحظہ کیجیے:

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ

’’اور اگر (اِس داروگیر کے موقع پر) اِن مشرکوں

فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ. (التوبہ ۹:۶)

میں سے کوئی شخص تم سے امان چاہے (کہ وہ تمھاری دعوت سننا چاہتا ہے) تو اُس کو امان دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اُس کو اُس کے مامن تک پہنچا دو۔ یہ اِس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (خدا کی باتوں کو) نہیں جانتے۔''

یہ آیت مشرکین کے کسی گروہ کے لیے نہیں، بلکہ انفرادی حیثیت میں مشرکین کے پناہ کے معاملے کی بات کر رہی ہے، یعنی مشرکین کا کوئی فرد جو مسلمانوں کے علاقے میں آیا ہو یا گزر رہا ہو، نہ کہ وہ جن پر اعلان کے بعد حملہ کرنا پیش نظر تھا۔ اسی لیے تو کہا جا رہا ہے کہ مسلمان اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں کہ وہ مسلمانوں کے زیر نگیں علاقے میں آیا ہے۔ اس پر ابن کثیر کا نوٹ دیکھیے:

وَالْغَرَضُ أَنَّ مَنْ قَدِمَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ إِلٰى دَارِ الْإِسْلَامِ فِي أَدَاءِ رِسَالَةٍ أَوْ تِجَارَةٍ، أَوْ طَلَبِ صُلْحٍ أَوْ مُهَادَنَةٍ أَوْ حَمْلِ جِزْيَةٍ، أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَسْبَابِ، فَطَلَبَ مِنَ الْإِمَامِ أَوْ نَائِبِهِ أَمَانًا، أُعْطِيَ أَمَانًا مَا دَامَ مُتَرَدِّدًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ، وَحَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى مَأْمَنِهِ وَوَطَنِه. (تفسیر القرآن العظیم ۴/ ۱۱۴)

''غرض یہ ہے کہ جو دار الحرب سے دار الاسلام میں کوئی پیغام، تجارت یا صلح کی طلب یا جزیہ وغیرہ لے کر آئے، اور امام یا اس کے نائب سے امان طلب کرے تو اسے امان دے دی جائے گی، جب تک وہ دار الاسلام میں عارضی طور پر رہے جب تک کہ وہ اپنی امن کی جگہ یا اپنے وطن پہنچ جائے۔''

نیز یہ بھی ہدایت دی گئی کہ اسے قرآن سنا کر مزید اتمام حجت کر دیا جائے کہ ممکن ہے کوئی کسر باقی رہ گئی ہو۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اتمام حجت قومی سطح پر ہوتا ہے اور اس کے انجام کا فیصلہ بھی قومی سطح پر کیا جاتا ہے۔ فرد کی سطح پر البتہ کسر باقی رہ جانے کا امکان رہتا ہے اور ایسے افراد کا معاملہ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا، اللہ کے سپرد ہے۔

بعض حضرات نے سورۂ توبہ کی آیات ۷ تا ۱۰ میں مذکور آمادۂ جنگ مشرکین سے سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں مذکور مشرکین کو ایک ہی سمجھ کر سب کو جارح قرار دے دیا ہے۔ آیات ملاحظہ کیجیے:

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ

''اللہ اور اُس کے رسول کے ہاں اِن مشرکوں سے کوئی عہد کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ ہاں جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس (حدیبیہ میں) عہد کیا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ. کَیْفَ وَاِنْ یَّظْھَرُوْا عَلَیْکُمْ لَایَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً یُرْضُوْنَکُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ وَتَاْبٰی قُلُوْبُھُمْ وَاَکْثَرُھُمْ فٰسِقُوْنَ. اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ اِنَّھُمْ سَآءَ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّاوَّلَا ذِمَّۃً وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُعْتَدُوْنَ. (التوبہ ۹: ۷-۱۰)

تھا، سو جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں۔ کس طرح باقی رہ سکتا ہے، جب کہ حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پالیں تو نہ تمھارے بارے میں کسی قرابت کا لحاظ کریں، نہ کسی عہد کا۔ اپنے منہ کی باتوں سے وہ تمھیں راضی کرنا چاہتے ہیں، مگر اُن کے دل انکار کر رہے ہیں اور اُن میں سے اکثر بدعہد ہیں۔ اللہ کی آیتوں کے عوض میں اُنھوں نے تھوڑی قیمت قبول کر لی، پھر اُس کی راہ سے رک گئے ہیں۔ یقیناً بہت برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ کسی مسلمان کے معاملے میں نہ اُنھیں کسی قرابت کا لحاظ ہے، نہ عہد کا اور وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

غور کیجیے تو آیات ۷ تا ۱۰ میں جن آمادۂ جنگ مشرکین کا ذکر ہے، ان سے مراد صرف قریش مکہ ہیں۔ اس پر دلیل وہ اس معاہدے کا ذکر ہے جو مسجد حرام کے پاس ان مشرکین سے کیا گیا۔ مسجد حرام کے پاس ایک ہی معاہدہ ہوا تھا، یعنی صلح حدیبیہ، اس لیے آیت ۸ میں مشرکین سے مراد مکہ کے مشرکین ہی قرار پاتے ہیں جن سے معینہ مدت کا معاہدہ تھا۔ ان کے علاوہ دیگر مشرکین جن سے غیر معینہ مدت کے معاہدات تھے، ان کا حکم اس سورہ کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے آیت ۱۱ میں قریش کے ان جارح مشرکین کے لیے بھی اپنی گلوخلاصی کی وہی شرط، یعنی اسلام قبول کرنا ہی بیان ہوا ہے، نہ کہ محض جارحیت سے توبہ، بلکہ پوری بات دہرائی گئی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بھی تیار ہو جائیں تب ہی ان کی جان بچ سکتی ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ. (التوبہ ۹: ۱۱)

''سو اگر توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔ ہم اُن لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کی تفصیل کیے دے رہے ہیں جو

جاننا چاہتے ہوں۔‘‘

جب کہ اہل کتاب کو ان کی جارحیت سے باز آ جانے کی بنا پر محکوم بنا کر ان پر جزیہ عائد کرنے کی سزا دی گئی:

قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ. (التوبہ ۹:۲۹)

’’(اِن مشرکوں کے علاوہ) اُن اہل کتاب سے بھی لڑو جو نہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اُس کے رسول کے حرام ٹھیرائے ہوئے کو حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (اُن سے لڑو)، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ماتحت بن کر رہیں۔‘‘

اگر اہل کتاب کو ان کی جارحیت سے باز آ جانے کی شرط پر محکوم بنا کر چھوڑ دیا گیا، تو یہی سزا مشرکین عرب کے لیے بھی تجویز کی جا سکتی تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، یہ اس لیے کہ صریح شرک جو بلا تاویل ہو، اس کی سزا رسول کے اتمام حجت کے بعد قتل ہی تجویز کی گئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَتَضۡطَرُّوۡهُمۡ إِلَى الۡقَتۡلِ أَوِ الۡإِسۡلَامِ؛ وَلِهٰذَا قَالَ: ”فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ“. (تفسیر القرآن العظیم ۴/۱۱۱)

’’اور تم ان مشرکین کو زبردستی قتل یا اسلام کے لیے مجبور کرو گے، اسی لیے خدا نے فرمایا: ’فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ‘۔‘‘

تفسیر کبیر میں ہے:

احۡتَجَّ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّه بِهٰذِهِ الۡاٰيَةِ عَلٰى أَنَّ تَارِكَ الصَّلَاةِ يُقۡتَلُ، قَالَ: لِأَنَّهٗ تَعَالٰى أَبَاحَ دِمَاءَ الۡكُفَّارِ مُطۡلَقًا بِجَمِيعِ الطُّرُقِ، ثُمَّ حَرَّمَهَا عِنۡدَ مَجۡمُوعِ هَذِهِ الثَّلَاثَةِ، وَهِيَ: التَّوۡبَةُ عَنِ الۡكُفۡرِ، وَإِقَامَةُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزكاة، فعند ما لَمۡ يُوجَدُ هَذَا الۡمَجۡمُوعُ، وَجَبَ أَنۡ يَبۡقٰى إِبَاحَةُ الدَّمِ عَلَى الۡأَصۡلِ. (مفاتیح الغیب ۱۵/۵۲۸)

’’اسی آیت سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ تارک نماز کو قتل کیا جائے گا، انھوں نے کہا کہ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خون کو مطلقاً ہر طریقے سے حلال کر دیا اور پھر تین چیزوں کے مجموعے کے ساتھ حرام کیا، اور وہ ہیں: کفر سے توبہ، نماز کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی۔ تو پھر جس کافر کے ہاں ان تینوں کا مجموعہ نہ ہو، واجب ہے کہ اصلاً اس کے خون کا حلال ہونا باقی رہے۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اسی تناظر میں ہے:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، فَإِذَا شَهِدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا، وَأَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا، وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ وَأَهْلُ السُّنَنِ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال جاری رکھوں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، ہمارے قبلے کی طرف منہ کریں، ہمارا ذبیحہ کھائیں، ہماری نماز پڑھیں، تب ہم پر ان کا خون اور ان کے اموال حرام ہوں گے، سوائے یہ کہ ان پر کوئی حق قائم ہو جائے۔''

مکرر عرض ہے کہ آیات مذکورہ میں یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ اگر مشرکین مطیع ہو کر رہنا چاہیں تو امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں، بلکہ کہا جا رہا ہے کہ وہ صرف اسلام قبول کر کے ہی زندہ چھوڑے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جزیرۂ عرب کے قبائل نے جبراً اسلام قبول کیا تھا، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ہی وہ اسلام سے پھر گئے تھے، اور صحابہ کو دوبارہ تلوار کے زور سے انھیں مطیع اور مسلم بنانا پڑا تھا۔ ان تاریخی نظائر کو مولانا عمار خان ناصر نے اپنی کتاب ''جہاد: ایک مطالعہ'' میں اکٹھا کر دیا ہے۔ مولانا عمار خان ناصر ''مسند الشامیین'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"لما مات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تشایع الناس وتحزبوا فقامت تلك الناصیة فقاتلوا الناس حتی ردوا الناس الی کلمة الاسلام وحتی قالوا لا الٰہ الا اللّٰہ وان نبیکم حق.

(مسند الشامیین، رقم ۱۶۶۱)

''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو لوگ (اسلام کو چھوڑ کر) مختلف گروہوں اور دھڑوں میں بٹ گئے، چنانچہ آپ کے ساتھیوں کا گروہ اٹھا اور اس نے لوگوں کے ساتھ قتال کیا یہاں تک کہ انھیں کلمہ اسلام کی طرف واپس لوٹا دیا اور منکرین کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ تمھارا نبی برحق ہے۔''

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ تمام قبائل اپنی رضامندی اور اختیار سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے تو اتنے وسیع پیمانے پر ان کے دین سے مرتد ہو جانے یا مرکز اسلام کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کا رویہ کسی طرح بھی قابل فہم نہیں رہتا۔'' (۴۹)

''سیدنا ابوبکر نے ایک موقع پر فرمایا:

ان اللّٰه بعث محمدا صلی اللّٰه علیه و سلم بهذا الدین فجاهد علیه حتی دخل الناس فیه طوعا و کرها. (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۵۲۶/۲)

''اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دین دے کر بھیجا، چنانچہ آپ نے اس کے لیے جہاد کیا یہاں تک کہ لوگ خواہی نخواہی اس میں داخل ہو گئے۔'''' (۵۲)

''رومی فوج کے سالار جرجہ سے گفتگو کرتے ہوئے خالد بن ولید نے کہا:

انا قبلنا هذا الامر عنوة. (البدایہ والنہایہ ۱۳/۷)

''ہم نے اس دین کو اپنی مرضی کے برعکس قبول کیا تھا۔'''' (۵۴)

''نصاریٰ بنو تغلب سے معاہدہ کے موقع پر انھوں (حضرت عمر) نے فرمایا:

ان مـن اسلم منهم فله ما للمسلمین و علیه ما علیهم و من ابی فعلیه الجزاء و انما الاجبار من العرب علی من کان فی جزیرة العرب. (طبری، تاریخ الامم والملوک ۴۰/۴)

''ان میں سے جو اسلام لے آئیں گے، ان کے حقوق و فرائض مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے، ان پر جزیہ لازم ہوگا۔ ہم اسلام قبول کرنے پر صرف ان اہل عرب کو مجبور کریں گے جو جزیرۃ العرب کی حدود میں رہتے ہوں۔''

(۵۵)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ظاہری اسلام کو گوارا کر لیا گیا تھا۔ اس سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ پہلے سے موجود منافقین کے وجود کو بھی کیوں گوارا کر لیا گیا اور کوئی دنیوی سزا باوجود عذاب کی دھمکی کے ان پر کیوں نہیں آئی۔ ان منافقین کو خدا اور رسول کی طرف سے عذاب و سزا کی جو دھمکیاں دی گئی تھیں، وہ ان کی معاندانہ سازشی کارروائیوں کے جاری رہنے کی صورت میں دی گئی تھیں۔ اسلام کے سیاسی غلبے نے انھیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں، اب محض دل کی کیفیت پر ان پر قتال کا عذاب مسلط نہیں کیا گیا جیسا کہ مشرکین اور اہل کتاب پر مسلط کیا گیا جو کھلم کھلا انکار، یعنی کفر پر بہ ضد تھے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بلا ضرورت قتال سے بچا جائے۔ یہ لوگ بہ ظاہر ملت اسلامیہ کا ہی حصہ معلوم ہوتے تھے۔ پھر یہ کہ مجموعی حالات کے اثر سے ممکن تھا کہ ایسے لوگوں کے دل میں ایمان حقیقتاً اتر ہی جائے، کیونکہ ان کا اصل مذہب عصبیت تھا، یعنی اپنے قوم و قبیلے کا طور طریقہ ہی ان کا مذہب تھا، جب ان کی قوم اور قبیلے ہی مسلمان ہو گئے تو عصبیت کی خاطر ہی سہی، یہ پکے مسلمان بن سکتے تھے، اور ہم جانتے ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا۔ یہی مرتد ہو جانے والے قبائل تھے، جو از سر نو اسلام میں شامل ہونے کے بعد، خلافت اسلامیہ کے جھنڈے تلے جہاد کرتے رہے اور اس کی تقویت کا باعث بنے۔ اور کچھ نہیں تو ایسے لوگوں کی

اولادوں کے مسلمان ہونے کا تو قوی امکان موجود تھا۔ آخرت کا معاملہ البتہ الگ ہے جہاں خدا کی عدالت پورے علم کی روشنی میں ایسے لوگوں کا فیصلہ کرے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کو قرآن مجید میں گذشتہ اقوام پر آنے والے عذاب کی داستانیں سنا کر بار بار یہ کہا جا رہا تھا کہ تمھاری ضد اور انکار کی بنا پر تم پر بھی دنیا ہی میں عذاب آ جائے گا۔ پھر صحابہ کو بتا دیا گیا کہ یہ عذاب ان کے ہاتھوں سے دیا جائے گا۔ اب جب وہ عذاب صحابہ کی تلواروں سے آ گیا تو یہ سمجھنا کہ یہ جہاد صرف جارحین کے خلاف تھا، نص قرآنی اس کی تائید کرتی ہے، نہ قرآنی نظائر، اور نہ ابتداے اسلام کی تاریخ عرب سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ قتال و محکومی کی ان سزاؤں کے بارے میں قرآن کی ان صریح نصوص کی کوئی اور اطمینان بخش تاویل ہماری نظر میں ممکن نہیں۔

فقہا کا ایک طبقہ اس کا قائل رہا ہے کہ مسلم حکومت، بشرطِ طاقت، انھی اصولوں کے مطابق تمام دنیا پر اسلام نافذ کرے۔ وہ ہر زمانے کے مشرکین کے سامنے اسلام کی دعوت رکھے، اور اسے قبول نہ کرنے پر انھیں قتل کر دے، جب کہ اہل کتاب کے انکار کی صورت میں انھیں محکوم بنا کر ان پر جزیہ عائد کر دے۔ اسی بنا پر ہندوستان کے متشرع بادشاہان ـــــ محمد تغلق، التمش وغیرہ ـــــ کو اس وقت کے فقہا نے ہندوستان کے ہندوؤں کو 'شریعت' کے مطابق قتل کرنے پر اصرار کیا تھا، لیکن ان بادشاہوں نے عملی مجبوریوں کا بہانہ بنا کر اس انتہائی اقدام سے گریز کیا۔

دیگر فقہا کے مطابق قتل کی سزا، محکومی کی سزا سے موقوف ہو چکی ہے۔ اب دنیا بھر کے غیر مسلموں کو بہ صورت طاقت محکوم بنایا جائے گا، چاہے وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب۔ دیگر کچھ فقہا، جن میں احناف شامل ہیں، نے یہ رعایت البتہ دی کہ غیر مسلم سے قتال صرف جارحیت کی صورت میں کیا جائے گا، اور حکومت قائم ہو جانے کے بعد ان پر جزیہ عائد کیا جائے گا۔

غور کیجیے تو فقہا کے یہ بیانیے درحقیقت اتمام حجت اور اس کی نتیجے میں دی جانے والی سزاؤں کا نفاذ جزیرۂ عرب سے باہر دیگر اقوام تک پھیلا رہے ہیں۔ فقہا کے یہ مواقف اتمام حجت کے قانون ہی سے پھوٹے ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ وہ اس قانون کو عام سمجھ لیتے ہیں اور ہم سنت الٰہی کی روشنی میں اسے مخصوص وقت اور جگہ تک محدود سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہا ایسی جنگ کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس سے پہلے دعوت نہ دی گئی ہو۔ گویا فقہا کے نزدیک غیر مسلم اقوام کو محض اسلام کی خبر پہنچانے اور ایک آدھ بار دعوت دینے سے اتمام حجت ہو جاتا ہے جس کے بعد ان کے قتل یا محکومی کا اختیار اسلامی حکومت کو حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جو رسولوں سے متعلق قانون اتمام حجت کو اس کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

درست تناظر میں نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی۔ سورۂ توبہ میں بیان کردہ قتال کا عذاب جو منکرین رسالت پر آیا، وہ درحقیقت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتمام حجت کے بعد اس لیے آیا کہ خدا کے علم کے مطابق کفار محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کر رہے تھے، اور ایسوں کا مٹ جانا طے تھا۔ اب یہ حکم لگانا کہ کون دل سے انکار کر رہا ہے اور کون نہیں مسلمانوں کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے، اس لیے غیر مسلموں کو اس بنا پر مٹا ڈالنا یا محکوم بنا لینا بھی ان کے دائرۂ عمل سے تجاوز ہے۔ تعبیر کی اس غلطی نے وہ تمام مسلم عسکری تنظیمیں پیدا کیں جو صدیوں سے 'جہاد' کے ذریعے سے دنیا میں اسلام نافذ کر کے قتال اور محکومی کی سزائیں غیر مسلموں پر نافذ کرنے کی خواہش میں دنیا کے امن اور اسلام کے تاثر، دونوں کو برباد کر رہی ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ساجد حمید

متن حدیث میں ہمارے تصرفات*

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حذف السیاق

یہ چوتھا تصرف ہے جو راویوں، محدثین اور مصنفین حدیث نے کیا ہے۔ حذف السیاق یہ ہے کہ حدیث کے بعض ایسے اجزا کا بیان نہ کرنا جو بات کا سیاق وسباق یا موقع محل تشکیل کرتے ہیں۔ موقع محل کی بہت اہمیت ہے، یہ نہ ہو تو سادہ سے سادہ جملے بھی اپنے معنی کھو دیتے ہیں۔ تصرفات کے نتیجے میں بہت سی احادیث کو ان کے سیاق وسباق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ پچھلے تینوں تصرفات میں اس کی کچھ مثالیں گزری ہیں۔ سیاق وسباق کے کھو جانے سے کیا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، وہ ذیل کی مثال سے واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

جملہ	سیاق وسباق	معنی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیا بجھا کر سویا کرو۔	سیاق وسباق نہ بتایا جائے تو	رات کو دیا بجھانا کارِ ثواب ہو گا۔ شاید بعض علما سوتے وقت دیا جلانے کو حرام بھی کہہ دیں۔ آج کے زمانے میں بلب بھی بجھا کر سونا پڑے گا۔

* اس مضمون کی تیسری قسط ''متن حدیث میں ہمارے تصرفات'' کے زیر عنوان اپریل ۲۰۱۷ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بتائی کہ چوہا آئے گا، تیل کھانے کے لیے بتی کو لے جانا چاہے گا، جس سے گھر میں آگ لگ سکتی ہے۔ یہ سیاق وسباق معلوم ہوتو	اب یہ گناہ ثواب کا مسئلہ نہیں، بلکہ عام زندگی کی ایک اچھی نصیحت ہے۔ بلب اور چوہے کا تعلق وہ نہیں ہے، اس لیے بلب جلا کر سو سکتے ہیں۔

یہاں دیکھیے کہ سیاق وسباق کا نہ ہونا معنی میں کیا تبدیلی کر دیتا ہے، اس لیے ضروری تھا کہ ہر ہر حدیث میں سیاق و سباق یا موقع محل بیان کیا جاتا، لیکن افسوس ایسا نہیں ہے۔ تقریباً تمام روایات کسی نہ کسی طریقہ میں اپنے سیاق وسباق سے محروم ہو کر روایت ہوئی ہیں۔ ہم نے انضمام المتون والے تصرف کے تحت کچھ روایات کا ذکر کیا تھا، جن کا موقع محل یا سیاق وسباق کسی ایک روایت سے بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اس مضمون میں ہم جو روایت بطور مثال پیش کرنے جا رہے ہیں، اس کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہے کہ تصرفات کے کئی مراحل سے گزر کر اس کا موقع محل چند طرق میں تو آیا ہے، لیکن اکثر میں نہیں۔ آیئے سب سے پہلے موقع محل سے منقطع روایت کو دیکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.org

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ: هَلَكْتُ، قَالَ: "وَلِمَ؟" قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: "فَأَعْتِقْ رَقَبَةً" قَالَ: لَيْسَ عِنْدِي، قَالَ: "فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ"، قَالَ: لاَ أَسْتَطِيعُ، قَالَ: "فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا"، قَالَ: لاَ أَجِدُ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ، فَقَالَ: "أَيْنَ السَّائِلُ؟"، قَالَ: هَا أَنَا ذَا، قَالَ: "تَصَدَّقْ بِهٰذَا"، قَالَ: عَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَارَسُولَ اللّٰهِ، فَوَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ، مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، قَالَ: "فَأَنْتُمْ إِذًا". (بخاری، رقم ۵۳۶۸)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ حضور میں مارا گیا، آپ نے دریافت فرمایا: وہ کیوں؟ اس نے کہا: میں نے رمضان میں بیوی سے ملاقات کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: ایک غلام آزاد کرنا پڑے گا، اس نے عرض کی: میرے پاس غلام نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ لو، وہ بولا: میں اس کی قوت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا دو، اس نے کہا کہ میں اس کے لیے بھی استطاعت نہیں رکھتا۔ اتنے میں آپ کے پاس کھجور کی ٹوکری آئی جس میں کھجوریں تھیں۔ تو آپ نے پوچھا: وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ وہ بولا: میں یہاں ہوں۔ آپ نے اس سے کہا: یہ کھجوریں صدقہ

میں دے دو۔ اس نے کہا: یہ اپنے سے زیادہ محتاج کو دینی ہیں نا؟ آپ کو نبوت عطا کرنے والے رب کی قسم، ان دو سیاہ پتھروں والی وادیوں میں (اس پورے علاقے میں) ہم سے زیادہ محتاج کوئی نہیں ہے۔ آپ ہنسنے لگے، اتنا ہنسے کہ آپ کے نوکیلے دانت دکھائی دینے لگے۔ آپ نے فرمایا: پھر تم ہی لے لو۔''

پہلے اس میں ایک تصرف کے ایک شاہد کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان روایات میں سے اکثر میں 'فی رمضان' ہے، یعنی یہ واقعہ رمضان میں ہوا۔ ان میں یہ نہیں آیا کہ ایسا روزے کی حالت میں ہوا۔ رمضان میں مقاربتِ زوجین کسی کفارے کو واجب نہیں کرتی، اس لیے کہ رمضان کی راتیں اس کے لیے شریعتِ اسلامیہ میں حلال و مباح رکھی گئی ہیں۔ 'فی رمضان' کے الفاظ مکمل روایت کے مضمون کے مطابق بالکل درست ہیں، لیکن مندرجہ بالا روایت میں یہ کچھ غیر مناسب ہیں، اس لیے پھر دو تین طرق میں اگلی ساری بات کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لیے بعض راویوں نے 'رمضان میں' کے بجائے 'میں روزے سے تھا، میں نے عمداً رمضان میں روزہ افطار کر لیا اور بیوی کے پاس چلا گیا' کے الفاظ کو روایت کیا ہے۔[1] لیکن یہ چند ایک روایتوں ہی میں تبدیلی ہوئی ہے۔ باقی روایات میں یہ تبدیلی نہیں ہوئی، ان میں 'فی رمضان' ہی کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ زیادہ تر روایات میں سیاق وسباق کے حذف سے پہلے والے الفاظ ہی موجود ہیں اور وہ مضمون سے پوری مطابقت نہیں رکھتے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تصرف شدہ متن ہے، جس کا ابتدائی حصہ کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے۔

آیئے اب اس متن کو دیکھتے ہیں جو کسی قدر پورے سیاق وسباق کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ، أَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيَّ، أَحَدَ بَنِي بَيَاضَةَ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ حَتّٰى يَمْضِيَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا

''ابوسلمہ اور محمد بن عبدالرحمٰن بتاتے ہیں کہ سلمان[2] بن صخر انصاری، جن کا تعلق بنو بیاضہ سے تھا، نے اپنی بیوی سے رمضان بھر کے لیے ظہار کر لیا۔ پھر ابھی رمضان آدھا ہی گزرا تھا کہ ایک رات اپنی بیوی سے

---

1 المعجم الاوسط، رقم ۷۸۷۱ میں الفاظ یوں ہیں: 'إِنِّي أَفْطَرْتُ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا، وَوَقَعْتُ عَلٰى أَهْلِي فِيهِ'، اور مسند ابی یعلیٰ رقم ۶۳۹۳ میں الفاظ یوں ہیں: 'وَقَعْتُ عَلٰى أَهْلِي وَأَنَا صَائِمٌ'۔

2 ترمذی کے حاشیہ کے مطابق ان کا نام بعض روایتوں میں سلمہ بن صخر البیاضی بھی آیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مَضٰی نِصۡفٌ مِنۡ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَیۡهَا لَیۡلًا، فَأَتٰی رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ، فَذَکَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ: ''أَعۡتِقۡ رَقَبَةً''، قَالَ: لَا أَجِدُهَا، قَالَ: ''فَصُمۡ شَهۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ''، قَالَ: لَا أَسۡتَطِیۡعُ، قَالَ: ''أَطۡعِمۡ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا''، قَالَ: لَا أَجِدُ، فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ لِفَرۡوَةَ بۡنِ عَمۡرٍو: ''أَعۡطِهِ ذٰلِكَ الۡعَرَقَ وَهُوَ مِکۡتَلٌ یَأۡخُذُ خَمۡسَةَ عَشَرَ صَاعًا، أَوۡ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا إِطۡعَامَ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا''.
(سنن الترمذی رقم ۱۲۰۰)[۳]

جماع کر بیٹھے۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا۔آپ نے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کر دو، انھوں نے کہا کہ میرے پاس تو غلام نہیں ہے۔آپ نے کہا کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ لو، انھوں نے کہا کہ اس کی ہمت نہیں پاتا۔آپ نے کہا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا ہی کھلا دو، اس نے کہا کہ یہ بھی میسر نہیں ہے۔آپ نے فروہ بن عمرو سے کہا کہ یہ بوریا اسے دے دو۔اس بوریے (مکتل) میں پندرہ سولہ صاع کھجور آ جاتی ہے، جو ساٹھ مسکینوں کا کھانا ہوگا۔''

اس روایت سے اس واقعہ کا جو سیاق وسباق کھویا گیا تھا، وہ واضح ہو جاتا ہے۔اس سیاق وسباق سے واضح ہو رہا ہے کہ اس شخص کو روزہ توڑنے نہیں، بلکہ ظہار کا کفارہ بتایا جا رہا ہے۔کفارے کے اس حکم کے سیاق وسباق پر مزید روشنی یہ روایت ڈالتی ہے کہ اس آدمی نے اپنی بیوی سے یہ ظہار کیوں کیا:

عَنۡ سَلَمَةَ بۡنِ صَخۡرٍ الۡبَیَاضِیِّ، قَالَ: کُنۡتُ امۡرَأً أَسۡتَکۡثِرُ مِنَ النِّسَاءِ، لَا أَرٰی رَجُلًا کَانَ یُصِیۡبُ مِنۡ ذٰلِكَ مَا أُصِیۡبُ، فَلَمَّا دَخَلَ رَمَضَانُ ظَاهَرۡتُ مِنَ امۡرَأَتِيۡ حَتّٰی یَنۡسَلِخَ رَمَضَانُ، فَبَیۡنَمَا هِيَ تُحَدِّثُنِيۡ ذَاتَ لَیۡلَةٍ انۡکَشَفَ لِيۡ مِنۡهَا شَيۡءٌ، فَوَثَبۡتُ عَلَیۡهَا فَوَاقَعۡتُهَا، فَلَمَّا أَصۡبَحۡتُ غَدَوۡتُ عَلٰی قَوۡمِيۡ فَأَخۡبَرۡتُهُمۡ خَبَرِيۡ، وَقُلۡتُ لَهُمۡ: سَلُوۡا لِيۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوۡا: مَا کُنَّا نَفۡعَلُ، إِذًا یُنۡزِلَ اللّٰهُ فِیۡنَا کِتَابًا، أَوۡ

''سلمہ بن صخر البیاضی کہتے ہیں کہ میں ایسا آدمی ہوں کہ مجھے عورتوں کی طرف زیادہ میلان تھا، میرا نہیں خیال کہ کسی مرد کو مجھ جیسی یہ حالت لاحق رہی ہو، تو اس لیے جب رمضان آیا تو میں نے ظہار کی قسم کھا لی کہ میری بیوی رمضان کے اختتام تک میری ماں کی طرح ہے۔ایک رات کیا ہوا کہ باتیں کرتے کرتے اس کے جسم کا کچھ حصہ مجھے دکھائی دیا، میں اس پر جھپٹا اور اس سے زن وشو کا تعلق قائم کر لیا۔صبح ہوئی، تو میں سویرے ہی اپنے لوگوں کے پاس گیا اور اپنی رات والی بات بتائی، اور ان سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے

۳ے خود امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور الالبانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔صحیح سند کے ساتھ اس کے متعدد طرق ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

يَكُوْنَ فِيْنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلٌ، فَيَبْقٰى عَلَيْنَا عَارُهُ، وَلٰكِنْ سَوْفَ نُسَلِّمُكَ بِجَرِيْرَتِكَ، اذْهَبْ أَنْتَ، فَاذْكُرْ شَأْنَكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَخَرَجْتُ حَتّٰى جِئْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ الْخَبَرَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”أَنْتَ بِذَاكَ“؟، فَقُلْتُ: أَنَا بِذَاكَ، وَهَا أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَابِرٌ لِحُكْمِ اللّٰهِ عَلَيَّ، قَالَ: ”فَأَعْتِقْ رَقَبَةً“، قَالَ: قُلْتُ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَصْبَحْتُ أَمْلِكُ إِلَّا رَقَبَتِيْ هٰذِهِ، قَالَ: فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَهَلْ دَخَلَ عَلَيَّ مَا دَخَلَ مِنَ الْبَلَاءِ إِلَّا بِالصَّوْمِ، قَالَ: ”فَتَصَدَّقْ، أَوْ أَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا“، قَالَ: قُلْتُ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَقَدْ بِتْنَا لَيْلَتَنَا هٰذِهِ مَا لَنَا عَشَاءٌ، قَالَ: ”فَاذْهَبْ إِلٰى صَاحِبِ صَدَقَةِ بَنِيْ زُرَيْقٍ، فَقُلْ لَهُ، فَلْيَدْفَعْهَا إِلَيْكَ، وَأَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا، وَانْتَفِعْ بِبَقِيَّتِهَا“۔[۴]

(سنن ابن ماجہ، رقم ۲۰۶۲)

متعلق پوچھو۔ لوگوں نے کہا: ہم ہرگز ایسا کرنے والے نہیں ہیں، کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون اترے گا یا رسول اللہ کی طرف سے کوئی بات سامنے آئے گی، جس کی عار پھر ہمارے لیے باقی رہ جائے گی[۵] (کہ سخت قانون ان لوگوں کی وجہ سے اترا)۔ ہم ابھی بس یہ کرسکتے ہیں کہ تمھیں تمھارے گناہ کے حوالے کریں، تم خود ہی جاؤ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا معاملہ خود ہی بیان کرو۔ سو (ان کی بات سن کر) میں نکلا اور نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا قصہ کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے واقعی ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، میں نے ایسا کیا ہے، اور اب میں یہاں حاضر ہوں، پوری ثابت قدمی سے خدا کے حکم کو تسلیم کروں گا۔ آپ نے فرمایا: ایک گردن (غلام) آزاد کردو، میں نے کہا: بخدا، اپنی اس گردن کے سوا کسی گردن کا مالک نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا: (اگر غلام نہیں ہے تو) پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ لو، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول، میں جس مشکل میں پھنسا ہوں، آیا وہ روزے ہی کی وجہ سے نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: پھر کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کردو یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا دو، میں نے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۴؎ ناصر الدین الالبانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور شیخ الارنؤوط نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: ’حديث صحيح بطرقه وشاهده. وهذا إسناد ضعيف، محمّد بن إسحاق مدلس وقد عنعن، وسليمان بن يسار لم يسمع من سلمة بن صخر‘.

۵؎ یہ غالباً اس آیت کے پیش نظر کہا گیا: ’يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ‘۔ (المائدہ ۵:۱۰۱)

عرض کی، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بالحق مبعوث فرمایا ہے، ہم نے آج رات اس طرح کاٹی کہ ہمارے پاس رات کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: جاؤ، بنی زریق کے زکوٰۃ پر مامور آدمی کے پاس جاؤ، اس سے کہو، وہ تمھیں صدقات میں سے کچھ دے، اور تم ساٹھ مساکین کو کھلاؤ اور باقی سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ۔''

اس روایت سے ہم جان سکتے ہیں کہ اس سارے واقعہ میں رمضان کی اہمیت روزہ توڑنے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ رمضان میں ظہار کر لینے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح ہم یہ جان سکتے ہیں کہ روزہ نہیں، بلکہ ظہار کو توڑا گیا ہے۔ ایک روایت میں یہ تصرف دوسرا رنگ اختیار کر گیا ہے اور اس آدمی کا سوال ہی تبدیل ہو گیا ہے، جب کہ باقی واقعہ مذکورہ بالا واقعہ سے ملتا جلتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّيْ أَفْطَرْتُ يَوْمًا فِيْ رَمَضَانَ، قَالَ: ''مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا سَفَرٍ''؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: ''بِئْسَ مَا صَنَعْتَ'' قَالَ: أَجَلْ فَمَا تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ: ''أَعْتِقْ رَقَبَةً''، قَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا مَلَكْتُ رَقَبَةً قَطُّ، قَالَ: ''فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ''، قَالَ: فَلَا أَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ، قَالَ: ''فَأَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا''، قَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُشْبِعُ أَهْلِيْ، قَالَ: فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِكْتَلٍ فِيْهِ تَمْرٌ، فَقَالَ: ''تَصَدَّقْ بِهٰذَا عَلٰى سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا''، قَالَ: إِلٰى مَنْ أَدْفَعُهُ، قَالَ: ''إِلٰى أَفْقَرِ مَنْ تَعْلَمُ''، قَالَ: وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ قُتْرَيْهَا أَهْلُ

''ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، تو اس نے کہا کہ میں نے رمضان کے دن میں روزہ توڑ لیا ہے، آپ نے پوچھا: بلا عذر اور بلا سفر؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تم نے بہت ہی برا کام کر ڈالا ہے، اس نے کہا جی، اب آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کر دو... (آگے کا واقعہ مذکورہ واقعات سے ملتا جلتا ہے، لہٰذا ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے، طوالت سے بچنے کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔)''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، قَالَ: ”فَتَصَدَّقْ بِهِ عَلٰى عِيَالِكَ“. (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم ۵۷۲۵)[٦]

یہاں اس سوال کو زیر بحث لانا ضروری ہے، وہ یہ کہ یہ تین روایتیں الگ الگ واقعات تو نہیں ہیں؟ بلاشبہ تینوں میں بیان کردہ سوال مختلف ہے:

مثلاً ایک روایت کا سوال ہے:

وَقَعْتُ عَلٰى أَهْلِي فِيْ رَمَضَانَ. (بخاری، رقم ۵۳۶۸)

”میں رمضان میں بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔“

دوسرا سوال یہ ہے:

أَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيَّ، أَحَدَ بَنِيْ بَيَاضَةَ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ حَتّٰى يَمْضِيَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا مَضٰى نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا. (سنن الترمذی، رقم ۱۲۰۰)

”سلمان بن صخر انصاری جو بنی بیاضہ کا آدمی تھا، اس نے اپنی بیوی سے رمضان تک کے لیے ظہار کر لیا، پھر ابھی آدھا رمضان ہی گزرا تو وہ ایک رات بیوی سے جماع کر بیٹھا۔“

تیسرا سوال[٧] یہ ہے:

إِنِّيْ أَفْطَرْتُ يَوْمًا فِيْ رَمَضَانَ. (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم ۵۷۲۵)

”میں نے رمضان میں روزہ توڑ لیا ہے۔“

اس کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ تین واقعات نہیں ایک ہی ہے، اس لیے کہ تصرفات سے نہ صرف سوال مختصر ہوا ہے، بلکہ آگے کفارے کے مکالمے میں بھی تصرف ہوا ہے۔ لیکن ان تصرفات کے باوجود تمام روایات پڑھ کر صاف

www.ar-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

٦۔ اس روایت کے بارے میں مسند کے نسخہ، جو دمشق سے طبع ہوا ہے، کے محقق حسین سلیم اسد کا کہنا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ المعجم الاوسط کے مصنف نے یہ کہا کہ حبیب بن ابی ثابت سے ہارون اس روایت میں منفرد ہیں۔

٧۔ چوتھا سوال بھی بن سکتا ہے، وہ یہ کہ بیوی سے جماع کا عمل حالت اعتکاف میں ہوا۔ یہ مصنف عبدالرزاق کی مروی روایت میں بیان ہوا ہے۔ اس کا متن مع سند یہ ہے:

عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ، قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ فِي الَّذِيْ يَقَعُ عَلَى امْرَأَتِهِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ؟ فَقَالَ: ”يَعْتِقُ رَقَبَةً، وَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَيَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا“؟ (رقم ۸۰۸۰)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ذیل میں وہ نکات پیش کیے جاتے ہیں جو ہمیں اس بات کی طرف لے جاتے ہیں کہ یہ ایک ہی واقعہ کی مختلف حکایات ہیں جو تصرفات کی زد میں آ کر بدل گئی ہیں۔

۱۔ پہلے سوال کے ساتھ بھی بیاضی قبیلے کے آدمی کا نام ہے اور دوسرے سوال کے ساتھ بھی صحیح ابن خزیمہ کی اس روایت میں دیکھیے کہ سیدہ عائشہ اسی آدمی کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جو ظہار کے واقعے میں سائل ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ظِلِّ فَارِعٍ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ بَيَاضَةَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، احْتَرَقْتُ، قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا لَكَ"؟ قَالَ: وَقَعْتُ بِامْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْتِقْ رَقَبَةً"، قَالَ: لَا أَجِدُهُ.... (صحیح ابن خزیمہ، رقم ۱۹۴۷)[8]

اس روایت (خط کشیدہ الفاظ) سے پتا چلتا ہے کہ ظہار والا قصہ اور روزے میں جماع والا قصہ ایک ہی قبیلے کے آدمی کا ہے۔واقعے کی باقی تفصیلات دلالت کرتی ہیں کہ قصہ ایک ہی آدمی کا ہے، یعنی ابن صخر البیاضی کا، جو کہ بنی بیاضہ میں سے ہونے کی وجہ سے بیاضی کہلاتا تھا۔سنن ترمذی کی مذکورہ بالا روایت ظہار کے الفاظ یوں ہیں: أَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيَّ، أَحَدَ بَنِيْ بَيَاضَةَ (رقم ۱۲۰۰)۔سنن ابن ماجہ میں ظہار کا واقعہ شروع ہی یوں ہوتا ہے کہ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ الْبَيَاضِيِّ، قَالَ: كُنْتُ امْرَأً أَسْتَكْثِرُ مِنَ النِّسَاءِ (رقم ۲۰۶۲)۔یعنی ابن صخر البیاضی سے روایت ہے...۔واضح رہے کہ سلمۃ اور سلمان میں بھی تصرف ہوا ہے: بعض روایتوں میں سلمان نام آیا ہے، بعض میں سلمۃ۔لیکن دونوں کے ساتھ ابن صخر ہی آیا ہے۔سلمہ اور سلمان صوتی مماثلت کی بنا پر اشتباہ پیدا کر سکتے ہیں، جو اس تصرف کا باعث بنا ہوگا۔

۲۔کفارہ جو بتایا جا رہا ہے، وہ چونکہ ظہار کا ہے، اس لیے ان روایتوں کو جن میں ظہار کا ذکر نہیں ہوا، انھیں بھی ظہار کے تحت ہی لینا ہوگا۔اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہونے کی حیثیت سے حکم دینے کے مجاز تھے، اور ہم پر ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے۔لیکن چونکہ روایتوں کے تصرف سے سوال پیدا ہو گیا ہے، اس لیے ذہن میں یہ اشکال اٹھتا ہے کہ رزہ توڑنے اور ظہار میں وہ کیا مماثلت ہے کہ جس کی بنا پر دونوں کا کفارہ ایک ہی کر دیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب صرف یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا، یہ تصرفات کے نتیجے میں مسئلہ پیدا ہوا ہے۔

۸۔ بیروت سے طبع شدہ صحیح ابن خزیمہ کے محقق محمد مصطفیٰ الاعظمی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۔اس واقعے سے پہلے اور بعد میں کہیں روزہ توڑنے کا کفارہ نہیں بتایا گیا،لیکن بیاضی جب سوال کے لیے آتا ہے تو اس کا شدتِ تاثر یہ بتا رہا ہے کہ وہ کسی بڑے کفارے ہی کا خیال کر کے آرہا ہے۔کسی روایت میں یہ ہے کہ وہ 'هلكت و أهلكت' کہتا ہوا آتا ہے،کسی میں بال نوچتا ہوا (جَاءَ رَجُلٌ يَنْتِفُ شَعَرَهُ) آتا ہے، جو یہ بتا رہا ہے کہ اسے معلوم ہے کہ اب سخت کفارے کا سامنا ہے۔لہٰذا ان روایتوں کا سائل روزہ توڑنے نہیں، بلکہ ظہار کے کفارے ہی کے بوجھ سے پریشان ہے۔اس واقعے کے علاوہ روزے کے کفارہ کا ذکر نہ ہونا بذاتِ خود ایک اہم سوال ہے۔

۴۔الفاظ کے تغیر سے قطع نظر،کفارے کا پورا مکالمہ جس میں آپ پہلے غلام آزاد کرنے کا کہتے ہیں،وہ کہتا ہے کہ میرے پاس غلام نہیں ہے، پھر آپ اسے ساٹھ روزوں کا کہتے ہیں،وہ اس کی استطاعت کا انکار بھی کرتا ہے، پھر آپ اسے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا کہتے ہیں،وہ اس کی گنجایش سے بھی انکار کرتا ہے، پھر کھجوریں دی جاتی ہیں اور مساکین کو کھلانے سے انکار کرتا،اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ محتاج بتاتا ہے،ان سب روایتوں میں اتنا ملتا جلتا ہے کہ انھیں دو یا تین واقعات شمار کرنا ناممکن لگتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۵۔بعض روایتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو روزہ توڑنے کا کفارہ بتانے کے بجاے قضا کے لیے صرف ایک روزہ رکھنا ہی بتایا ہے۔لیکن اس روایت کا غلبہ اتنا زیادہ ہوا کہ دوسری روایات کے صحیح ہونے کے باوجود وہ فراموش ہی رہی ہیں[۹]۔روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ[۱۰]، وَقَالَ: "وَصُمْ يَوْمًا

۹۔ امام مالک رحمہ اللہ کی راے بھی کچھ ایسی ہی ہے،موطا میں لکھتے ہیں:

سَمِعْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ: لَيْسَ عَلٰى مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا فِيْ قَضَاءِ رَمَضَانَ بِإِصَابَةِ أَهْلِهِ نَهَارًا أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ، الْكَفَّارَةُ الَّتِيْ تُذْكَرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَنْ أَصَابَ أَهْلَهُ نَهَارًا فِيْ رَمَضَانَ. وَإِنَّمَا عَلَيْهِ قَضَاءُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ .قَالَ مَالِكٌ: "وَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ فِيْهِ إِلَيَّ". (موطا امام مالک،رقم ۲۹)

۱۰۔ اس 'بذلك' کا اشارہ سنن ابن ماجہ میں اس سے متصلاً پہلے مذکور اسی روایت کی طرف ہے جو اس وقت زیر مطالعہ ہے۔اس روایت کا متن یوں ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ: هَلَكْتُ، قَالَ: "وَمَا أَهْلَكَكَ؟" قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِيْ فِيْ رَمَضَانَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْتِقْ رَقَبَةً"، قَالَ: لَا أَجِدُ. قَالَ: "صُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ"، قَالَ: لَا أُطِيْقُ. قَالَ: "أَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا"، قَالَ: لَا

مَكَانَهُ". (سنن ابن ماجہ رقم ۱۶۷۱[۱۱])

اسی طرح یہ روایت دیکھیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَقَعَ بِأَهْلِهِ فِي رَمَضَانَ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ. وَقَالَ فِي آخِرِهِ: "فَصُمْ يَوْمًا وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ".

(صحیح ابن خزیمہ، رقم ۱۹۵۴[۱۲])

ان روایات سے واضح ہے کہ رمضان میں ہونے والے اس واقعے کے پیچھے معاملہ کچھ اور ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری میں حدیث رقم ۱۹۳۵ سے پہلے ایک نوٹ لکھا ہے، جس میں انھوں نے ابو ہریرہ کی مرفوع روایت کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ: "مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا مَرَضٍ، لَمْ يَقْضِهِ صِيَامُ الدَّهْرِ وَإِنْ صَامَهُ" وَبِهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ،

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جس نے بغیر کسی عذر اور بغیر کسی مرض کے رمضان کا ایک روزہ توڑا، تو اگر وہ تمام عمر روزے رکھے تو تب بھی اس کا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

أَجِدُ. قَالَ: "اجلِسْ" فَجَلَسَ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ أُتِيَ بِمِكْتَلٍ يُدْعَى الْعَرَقَ، فَقَالَ: "اذْهَبْ فَتَصَدَّقْ بِهِ"، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنَّا، قَالَ: "فَانْطَلِقْ فَأَطْعِمْهُ عِيَالَكَ". (رقم ۱۶۷۱)

۱۱؎ شیخ شعیب الارنؤوط نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کے علاوہ یہ حدیث بہت سے ضعیف و صحیح طرق میں مصنف عبد الرزاق، سنن ابی داؤد، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں آئی ہے۔

۱۲؎ علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ دوسری روایتوں سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو وہم قرار دیا تھا، علامہ البانی اس کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الحديث صحيح فإن هشام بن سعد حسن الحديث وهو وإن كان وهم في الإسناد كما بينه المؤلف لمخالفته الثقات فإن اللفظة التي جاء بها في الأمر بالقضاء لم يتفرد بها فقد جاء ت من طرق أخرى يقوى بعضها بعضًا كما قال الحافظ في الفتح وقد كنت خرجتها في تعليقي على رسالة الصيام لابن تيمية وفاتني هناك هذا الشاهد الذي ساقه المصنف بعده من رواية عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده صرح فيه الحجاج بن أرطاة في بعض الطرق بالتحديث فهو شاهد قوي لا يدع مجالًا للشك في ثبوت هذه الزيادة. (صحیح ابن خزیمہ، طبع شدہ المکتب الاسلامی، بیروت)

وَالشَّعْبِيُّ، وَابْنُ جُبَيْرٍ، وَإِبْرَاهِيمُ، وَقَتَادَةُ، وَحَمَّادٌ: "يَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ".

کفارہ ادا نہ ہوگا، بس اتنا ہے کہ وہ اس کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھ کر قضا کر لے۔ یہی رائے ابن مسعود، سعید بن المسیب، شعبی، ابن جبیر، ابراہیم، قتادہ اور حماد وغیرہ کی تھی۔"

اب دونوں کے درمیان تطبیق دینا ہوگی۔ میرے خیال میں اس شخص نے سحری کے بعد رات کے وقت ہی بیوی سے جماع کیا ہوگا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہار کا کفارہ اور روزے کی قضا، دونوں کا حکم دیا ہوگا۔

۶۔ سعید بن المسیب (۱۵ھ-۹۴ھ) جوان روایتوں کے ایک راوی ہیں، انھوں نے ۹۴ ہجری میں وفات پائی، گویا اوائل زمانے کے ہیں۔ مدینہ کے جید علما میں سے ہیں۔ مدینہ کے علما کا حدیث نبوی سے اشتغال سب کو معلوم ہے۔ کثرتِ مرویات کے اعتبار سے غالباً چوتھے نمبر پر آتے ہیں۔ حدیث اور دین کے جید عالم ہیں۔ ان کی مرویات میں زیادہ تعداد ابوہریرہ سے ہے، یہ قصۂ کفارہ ابوہریرہ بھی روایت کرتے ہیں، اور ابوہریرہ ہی سے یہ واقعہ ابن المسیب نے روایت بھی کیا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کے بدلے غلام آزاد کرنے یا کوئی چیز صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ وہ کہتے ہیں کہ نہیں آپ نے تو صرف ایک دن کی قضا کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ اثر بہت سے حوالوں میں آیا ہے:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنِ ابْنِ الْمُسَيّبِ، فِي الَّذِي يَقَعُ عَلَى أَهْلِهِ فِي رَمَضَانَ، قَالَ: قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْتِقْ رَقَبَةً"، قَالَ: لَا أَجِدُ قَالَ: "فَتَصَدَّقْ بِشَيْءٍ"، قَالَ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ: "فَاقْضِ يَوْمًا مَكَانَهُ".
(مصنف عبدالرزاق، رقم ۷۴۶۶)

"ابن المسیب سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو رمضان میں بیوی سے ملاقات کر بیٹھا تھا کہ آیا نبی کریم نے اس سے کہا تھا کہ ایک غلام آزاد کرو، ابن المسیب کہتے ہیں کہ میں ایسی کوئی بات نہیں پاتا، سائل نے پوچھا کہ آیا صدقہ کا حکم دیا گیا تھا؟ ابن المسیب کہتے ہیں کہ میرے علم میں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ مجھے بس یہ پتا ہے کہ آپ نے اس سے کہا تھا کہ اس کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھ کر قضا کرو۔"

ابن المسیب اس واقعہ کی روایات کے راوی بھی ہیں:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيّبِ، وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ يَنْتِفُ شَعَرَهُ، وَيَدْعُو

وَیُلَهٗ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "مَا لَكَ"؟ قَالَ: وَقَعَ عَلَی امْرَأَتِهٖ فِيْ رَمَضَانَ، قَالَ: "أَعْتِقْ رَقَبَةً"....(مسند احمد، رقم ۶۹۴۴)

اب سوال یہ ہے کہ ایک طرف وہ اس روایت کو بیان کر رہے ہیں جس میں حالتِ صوم میں بیوی سے جماع کا کفارہ ظہار کے کفارے کے برابر ہے اور دوسری طرف وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس کو ایک ہی دن کا روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ اب دو صورتیں ممکن ہیں: ایک یہ کہ یہ مانا جائے کہ سعید ابن المسیب کی ایسی تمام روایات کی سند خود ساختہ ہو، یعنی ابن المسیب کا نام خود سے شامل کر لیا گیا ہو یا فتویٰ ان کا نہ ہو۔ دوسرا یہ امکان ہے کہ ان کے سامنے تصرفات سے پہلے کا پورا واقعہ ہو جس کی روشنی میں وہ یہ تطبیق کرتے ہوں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہار کا کفارہ بھی بتایا، اور چونکہ اس نے جماع روزے کی حالت میں کیا تھا تو روزے کی قضا کا حکم بھی دیا کہ وہ ایک روزہ رکھ کر روزے کی قضا بھی کرے، اس لیے کہ دونوں طرح کی روایات موصول ہوئی ہیں، ظہار کے برابر کفارے والی بھی اور ایک دن کی روزے کی قضا والی بھی، جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

یہی بات قرآن کے مطابق ہے۔ قرآن مجید نے رمضان کے ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا کھلانا رکھا تھا، اور ایک روزے کی قضا ایک دن کے روزے سے کرنے کا ضابطہ دیا ہے۔ اپنی نوع کے اعتبار سے بلا عذر روزہ چھوڑنے اور روزہ توڑنے، دونوں میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے، بلکہ عقل تقاضا کرتی ہے کہ توڑنے والے کو روزے کی مشقت نے مجبور کیا ہوگا، اس لیے اس کے ساتھ معاملہ نرم ہونا چاہیے۔ ہمارے ذہنوں میں روزہ توڑنے کی شدت اسی روایت سے بنی ہے، جو اس وقت زیر بحث ہے۔ اس کے علاوہ کسی حدیث میں یہ کفارہ نہیں بتایا گیا۔ گویا یہ غریب مضمون ہے۔ سنن ترمذی کی ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو توڑنے پر کوئی سختی نہیں کی:

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ: كُنْتُ قَاعِدَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ نَاوَلَنِي فَشَرِبْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ: إِنِّي أَذْنَبْتُ فَاسْتَغْفِرْ لِيْ، فَقَالَ: "وَمَا ذَاكِ"؟ قَالَتْ: كُنْتُ صَائِمَةً، فَأَفْطَرْتُ، فَقَالَ: "أَمِنْ قَضَاءٍ كُنْتِ تَقْضِیْنَهٗ"، قَالَتْ: لَا، قَالَ: "فَلَا يَضُرُّكِ".[۱۳]

''ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھی کہ آپ کے پاس کوئی مشروب لایا گیا، جس میں سے آپ نے نوش فرمایا، پھر آپ نے وہ مجھے پکڑا دیا تو میں نے بھی اس میں سے پیا، پھر میں نے آپ سے کہا کہ میں گناہ کر بیٹھی ہوں، آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں، آپ نے دریافت فرمایا: کیسا گناہ؟ انھوں نے کہا: میں روزے سے تھی تو

۱۳؎ ناصر الدین الالبانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس روایت کا یہ جملہ کہ 'أَمِنْ قَضَاءٍ كُنْتِ تَقْضِیْنَهٗ' اہم ہے۔ اس مضمون

(ترمذی، رقم ۷۳۱۔ ابوداؤد، رقم ۲۴۵۶)

ابھی میں نے روزہ توڑ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم روزے کی قضا کر رہی تھیں؟ کہنے لگیں: نہیں، فرمایا: پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

۷۔ ساٹھ روزوں والی روایت کے مشہور ہونے سے پہلے یا اس کی موجودگی کے علی الرغم صحابہ و تابعین کے فتاویٰ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ روزہ توڑنے پر بس ایک ہی دن کی قضا کا کہتے تھے۔ مثلاً مصنف عبد الرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فیصلہ ملتا ہے:

عَنْ بِشْرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ، وَالسَّمَاءُ مُغَيَّمَةٌ، فَأُتِيَ بِسَوِيقٍ وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَقَالَ: مَنْ أَفْطَرَ فَلْيَقْضِ يَوْمًا مَكَانَهُ. (رقم ۷۳۹۴)

''بشر بن قیس کہتے ہیں کہ ہم رمضان میں حضرت عمر بن الخطاب کے ہمراہ تھے، جب کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، تو ستّو لائے گئے۔ پھر کیا دیکھتے ہیں کہ (بادل چھٹ گئے اور) سورج روشن ہو گیا، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جس نے روزہ کھول لیا تھا، وہ بعد میں ایک دن کی قضا کرے گا۔''

اس واقعہ میں حضرت عمر نے بادلوں کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کو خطا پر محمول نہیں کیا، بلکہ اسے روزہ توڑنے کے مترادف سمجھا ہے، مگر کفارے کا حکم نہیں لگایا، بلکہ وہی قرآن کے حکم کے مطابق بس ایک دن کی قضا کا فیصلہ دیا ہے۔ اگر وہ اسے خطا پر محمول کرتے تو قضا کا بھی حکم نہ دیتے۔

ابن عباس کا فتویٰ یوں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: "إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَبَدَا لَهُ أَنْ يُفْطِرَ فَلْيَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ أَوْ قَالَ مَكَانَهُ يَوْمًا".

(سنن الکبریٰ للبیہقی، رقم ۸۳۷۲)

''ابن عباس نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو، اور دن چڑھ جائے، پھر اسے محسوس ہو کہ روزہ توڑنا پڑے گا (تو وہ توڑ لے)، مگر پھر بعد میں اس کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھے۔''

مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن جبیر[14] کا ایک اثر نقل ہوا ہے۔ انھوں نے رمضان کا روزہ توڑنے کے کفارہ کا

کی بہت سی ضعیف روایات میں پوری بات نقل ہوئی ہے کہ اگر قضا کر رہی تھیں تو قضا بعد میں ایک ہی روزے سے پوری کر لیں اور اگر قضا نہیں یونہی ایک نفلی روزہ تھا تو بس پھر قضا کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس مضمون کا کوئی طرق مجھے صحیح روایت کی شکل میں نہیں مل سکا، اس لیے میں نے اسے پیش نہیں کیا۔

۱۴۔ سعید بن المسیب کا ایک فتویٰ یہ نقل ہوا ہے کہ ہر رمضان کے روزے کے بدلے ایک ماہ کے روزے رکھے جائیں۔

انکار کیا ہے اور قضا کرنے کا بتایا ہے:

عَنْ یَعْلَی بْنِ حَکِیمٍ، عَنْ سَعِیدِ بْنِ جُبَیْرٍ، قَالَ: قُلْتُ لَهُ: رَجُلٌ أَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا، مَا كَفَّارَتُهُ؟ قَالَ: مَا أَدْرِي مَا كَفَّارَتُهُ، ذَنْبٌ أَصَابَهُ، يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، وَيَقْضِي يَوْمًا مَكَانَهُ. (رقم ۱۲۵۷۸)

”یعلیٰ بن حکیم سعید بن جبیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان سے میں نے پوچھا کہ جو آدمی رمضان میں عمداً روزہ توڑ لے، اس کا کیا کفارہ ہے، انھوں نے کہا: میں کفارہ وغیرہ تو کچھ نہیں جانتا، بس اتنا ہے کہ اس نے ایک گناہ کیا ہے، اللہ سے توبہ کرے اور ایک دن کا روزہ رکھ کر قضا کرے۔“

ان کی وفات تقریباً ۹۵ ہجری میں ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک ساٹھ روزوں والی حدیث یا تغیر سے محفوظ تھی یا مشہور نہیں ہوئی تھی۔ متعدد صحابہ نے یوم عرفہ کے نفلی روزہ توڑنے والے کو ایک ہی روزہ رکھنے کا فتویٰ دیا:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، أَنَّهُ صَامَ يَوْمَ عَرَفَةَ، فَعَطِشَ عَطَشًا شَدِيدًا فَأَفْطَرَ، فَسَأَلَ عِدَّةً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرُوهُ أَنْ يَقْضِيَ يَوْمًا مَكَانَهُ. (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۹۰۹۳)[۱۵]

”انس بن سیرین سے روایت ہے کہ انھوں نے یوم عرفہ کا روزہ رکھا، مگر پھر پیاس کی شدت محسوس کی تو روزہ توڑ لیا۔ انھوں نے متعدد صحابہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو سب نے یہی کہا کہ اس کی جگہ ایک روزہ رکھ کر قضا کر لینا۔“

امام محمد رحمہ اللہ کے سامنے بھی شاید اس قصے کے تمام طرق تھے، اس لیے ان کا موطا امام محمد میں فتویٰ یوں رقم ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُكَفِّرَ بِعِتْقِ رَقَبَةٍ، أَوْ صِيَامِ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، أَوْ إِطْعَامِ سِتِّينَ مِسْكِينًا، قَالَ: لَا أَجِدُ،

”(طوالت سے بچنے کے لیے پہلے پیرے کا ترجمہ نہیں کر رہا ہوں، کیونکہ وہی واقعہ ہے اس واقعے کے بعد امام محمد کا فتویٰ ہے)۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہم اس سے یہ راے اخذ کرتے ہیں کہ جب کوئی رمضان میں

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۹۷۸۰۰)۔ واضح رہے کہ انھی کے حوالے سے مصنف عبد الرزاق کا اثر یہ نقل ہوا ہے کہ وہ اس آدمی کے کفارہ کے بارے میں جو رمضان میں بیوی سے جماع کر بیٹھا تھا، صرف اتنا جانتے ہیں کہ اسے ایک روزہ رکھنے کا کفارہ بتایا گیا تھا۔

۱۵؎ یہ چونکہ اثر ہے حدیث نہیں ہے، اس کی صحت کے لیے حدیث جیسی تحقیق سند کی ضرورت نہیں ہے، لیکن شیخ ارنؤوط وغیرہ نے مسند احمد کی روایت ۲۵۰۹۵ کے تحت ابن شیبہ کی اس روایت کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔

فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ مِنْ تَمْرٍ، فَقَالَ: "خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ"، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا أَجِدُ أَحَدًا أَحْوَجَ إِلَيْهِ مِنِّيْ، قَالَ: "كُلْهُ"،

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ إِذَا أَفْطَرَ الرَّجُلُ مُتَعَمِّدًا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِأَكْلٍ، أَوْ شُرْبٍ، أَوْ جِمَاعٍ فَعَلَيْهِ قَضَاءُ يَوْمٍ مَكَانَهُ، وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ أَنْ يَعْتِقَ رَقَبَةً، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ، فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، أَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا....

(موطا روایۃ محمد بن الحسن الشیبانی، رقم ۳۴۹)

عمداً روزہ توڑ لے، خواہ کچھ کھا کر، پی کر یا جماع کر کے تو اس پر ایک دن کا روزہ ہے، اور ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے، نہ ہو تو دو ماہ کے روزے رکھے، نہ کر سکے تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے...۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان شواہد کے ہوتے ہوئے یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے کہ ہماری زیر بحث حدیث میں روزہ توڑنے کا نہیں، بلکہ ظہار کا کفارہ بتایا گیا ہے۔ روزہ توڑنے کا کفارہ کوئی بیان نہیں ہوا۔ جیسا کہ اوپر مذکور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روزے کے بدلے ایک روزہ کی قضا کی جائے گی، جو کہ قرآن مجید کے عین مطابق ہے۔ حکم میں یہ تبدیلی متون میں تصرف سے آئی ہے۔ ایسی روایات کی کثرت آپ کو ملے گی کہ جس میں سیاق وسباق حذف ہو گیا ہو گا، اس لیے کہ بسا اوقات آدمی یہ سمجھ کر بات بیان کر رہا ہوتا ہے کہ سامع کو واقعہ کی باقی تفصیل معلوم ہی ہے، اس لیے وہ ضروری حصہ بیان کرنے پر اکتفا کر دیتا ہے۔ لہٰذا حدیث کے طرق میں سے ہر متن سے حکم نکالنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اسے تمام احادیث کی روشنی میں سمجھنا چاہیے تاکہ اصل اور مکمل بات کا تعین ہو، اور ہم اصل حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ سکیں۔

یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کو معاف نہیں کیا، جیسا کہ اکثر لوگوں نے سمجھا ہے، بعض تعمیم کرنے سے ڈرے اور انھوں نے کہا کہ یہ معافی اس آدمی کے ساتھ خاص ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی تصرفات سے پیدا ہوا ہے۔ تمام طرق اکٹھے کر کے جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب آپ نے کفارے کی تینوں صورتوں کے لیے اس آدمی میں استطاعت نہیں پائی تو ساٹھ مساکین کے کھانا کھلانے میں آپ نے ریاست کی طرف سے مدد کی۔ گویا اسے بیت المال سے دیا گیا تاکہ وہ اپنا کفارہ ادا کر سکے۔ روایتوں میں یہ

الفاظ بھی منتقل ہوئے ہیں: 'خُذْ هٰذَا فَأَطْعِمْهُ عَنْكَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا'۔ یعنی یہ کھجوریں لے لو، اور اپنی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ بلاشبہ بعض میں بس اتنا آیا ہے کہ 'أَطْعِمْهُ عِيَالَكَ'، تم اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔ لگتا ہے کہ یہ بھی تصرف ہے، دونوں باتیں ہوں گی کہ ساٹھ مساکین کو کھلاؤ، اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلاؤ۔ یہی حل آپ نے خولہ بنت ثعلبہ کے شوہر اوس بن صامت کے لیے تجویز کیا تھا:

عَنْ خُوَيْلَةَ بِنْتِ مَالِكِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَتْ: ظَاهَرَ مِنِّي زَوْجِي أَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ، فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْكُوْ إِلَيْهِ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَادِلُنِي فِيْهِ، وَيَقُوْلُ: اتَّقِي اللّٰهَ فَإِنَّهُ ابْنُ عَمِّكِ، فَمَا بَرِحْتُ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْآنُ: "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا" (المجادلة ٥٨: ١)، إِلَى الْفَرْضِ، فَقَالَ: "يُعْتِقُ رَقَبَةً"، قَالَتْ: لَا يَجِدُ، قَالَ: "فَيَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ"، قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّهُ شَيْخٌ كَبِيْرٌ مَا بِهِ مِنْ صِيَامٍ، قَالَ: "فَلْيُطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا"، قَالَتْ: مَا عِنْدَهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَصَدَّقُ بِهِ، قَالَتْ: فَأُتِيَ سَاعَتَئِذٍ بِعَرَقٍ[16] مِنْ تَمْرٍ، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَإِنِّيْ أُعِيْنُهُ بِعَرَقٍ آخَرَ، قَالَ: "قَدْ أَحْسَنْتِ، اذْهَبِيْ فَأَطْعِمِيْ بِهَا عَنْهُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا، وَارْجِعِيْ إِلَى ابْنِ عَمِّكِ". (سنن ابی داؤد، رقم ٢٢١٤[17])

''خولہ بنت ثعلبہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے ظہار کر لیا، تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئی، نبی اکرم اس معاملے میں مجھے سمجھاتے بجھاتے، اور کہتے کہ اللہ سے ڈرو وہ تمھارے چچازاد ہیں، میں اصرار کرتی رہی، یہاں تک کہ سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات: 'قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا...' کفارے کے قانون تک نازل ہوئیں۔ تو آیات نازل ہونے پر آپ نے فرمایا کہ اوس کو چاہیے کہ وہ ایک غلام آزاد کر دے، خولہ نے کہا کہ اس کے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ پھر دو ماہ کے روزے رکھ لے، خولہ نے کہا: یا رسول اللہ، وہ بہت بوڑھے ہیں، روزے کی طاقت کہاں! آپ نے فرمایا: پھر اسے چاہیے کہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا دے۔ خولہ نے کہا: اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہے کہ اسے صدقہ کر سکے۔ خولہ کہتی ہیں کہ اسی وقت کھجور کا ایک بوریا لایا گیا۔ تو خولہ کہتی ہیں: میں نے آپ سے کہا کہ میں ایک دوسرے بورے سے اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں، آپ نے فرمایا: بہت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

[16] واضح رہے کہ عرق نامی بوری میں اتنی کھجور آ جاتی ہے جو بہ آسانی ساٹھ مساکین کا کھانا بن جاتا تھا۔

[17] البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

خوب، جاؤ، اور اپنی کھجوروں سے اپنے خاوند کی جانب
سے ساٹھ مساکین کو کھلا دو، اور اپنے چچازاد کی طرف
رجوع کر لو، (یعنی ظہار سے رجوع)۔‘‘

یعنی مدد کی رقم سے کفارہ ادا کرایا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اہمیت قائم رہے۔ دونوں واقعات میں آپ نے یہی حل تجویز فرمایا ہے۔

مختصراً یہ کہ ان احادیث کے مطابق ایک شخص نے روزے کی حالت میں ظہار کی خلاف ورزی کی تھی، یعنی اس نے دو گناہ کیے تھے: ایک ظہار کی خلاف ورزی اور دوسرے روزہ توڑنا۔ جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حکم دیے ایک ظہار کا کفارہ ادا کرنے کا اور دوسرا رمضان کے بعد ایک روزہ رکھ کر روزے کی قضا کا۔ لیکن تصرفات کی وجہ سے روایات کا سیاق وسباق حذف ہو گیا، چنانچہ حکم ہی بدل کر رہ گیا۔ و اللّٰہ أعلم بحقیقۃ الأمر۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اصلاح و دعوت

ابو یحییٰ

اسباب اور کھجور

قرآن مجید کی سورۂ مریم میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے جس میں انھیں ایک فرشتہ، بن باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوش خبری دیتا ہے۔ قرآن کے مطابق جب حضرت عیسیٰ کی پیدایش کا وقت قریب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ سیدہ مریم کو ہدایت کرتا ہے کہ کھجور کے تنے کو ہلائیں تو تازہ کھجوریں نیچے گر جائیں گی جنھیں کھا کر وہ اس مشکل وقت کو کاٹیں۔ کھجوروں کے متعلق جدید تحقیق سے اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حمل اور پیدایش کی تکلیف کو کم کر دیتی ہیں۔ اس نے یقیناً حضرت مریم کو بھی آسانی اور فائدہ دیا ہوگا۔

یہ واقعہ کئی پہلوؤں سے سبق آموز ہے۔ مگر ہماری قوم کے لیے جو اسباب سے زیادہ دم اور تعویذوں پر بھروسا کرتی ہے، ایک اہم سبق موجود ہے۔ اس واقعے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے پیدایش کے لیے تو فرشتے کو بھیج دیا، لیکن پیدایش کی تکلیف ہلکی کرنے کے لیے فرشتے نے کوئی معجزہ کرنے کے بجاے عالم اسباب کی ایک چیز کی طرف رہنمائی کر دی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اسباب مقرر کر دیے ہیں، وہاں وہ معجزات نہیں کرتے۔ وہاں اصل کام یہ ہوتا ہے کہ اسباب کو دریافت کر کے ان کو استعمال کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ معجزات نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔ عام لوگوں کو اسباب تلاش کرنا چاہییں اور ان کے مطابق حکمت عملی اختیار کرنا چاہیے۔ جب ہم یہ کریں گے، اللہ کی مدد آئے گی۔ ایک نازک لڑکی نہ ہاتھ سے کھجور کے تنے کو ہلا سکتی ہے، نہ اس طرح درخت سے کھجور گرائی جا سکتی ہے، مگر جب انسان اسباب اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں۔ انسان اسباب کے درخت کو ہاتھ سے ہلانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر ہر ''درخت'' اللہ کے حکم سے اپنی ''کھجور'' گرا دیتا ہے۔ یہی اس واقعہ کا اہم ترین سبق ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شوق اور خوف

قرآن مجید کی سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس سورت کی آیت ۱۷ میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے پوچھتے ہیں کہ موسیٰ، یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا جو جواب اس جگہ نقل ہوا، اس میں بڑی بصیرت ہے۔

سیدنا موسیٰ نے کہا کہ یہ میرا عصا ہے۔ اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں، بکریوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے دوسرے کام بھی ہوتے ہیں۔ سوال کا اصل جواب تو وہی تھا جو انھوں نے پہلے جملے میں دے دیا کہ یہ میرا عصا ہے، مگر سوال کی نوعیت سے ان کو اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر خصوصی عنایت ہوئی ہے۔ آسمان و زمین کا مالک کسی بندے سے براہ راست بات کرے اور وہ بھی ایک ذاتی سوال کی شکل میں۔ چنانچہ انھوں نے یہ بتانے کے بعد کہ میرے ہاتھ میں عصا ہے، بہ صد شوق تفصیل سے یہ بتانا شروع کیا کہ اس عصا سے وہ کیا کیا کام لیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

چنانچہ انھوں نے یہ بتایا کہ وہ اس عصا پر ٹیک لگاتے ہیں۔ یہ بتایا کہ وہ اس سے بکریوں کے لیے پتے جھاڑتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد آنے والا تیسرا جملہ یہ بتا رہا ہے کہ پچھلی دو باتیں کہتے ہوئے ان کو احساس ہوا کہ شوق اپنی جگہ لیکن یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ وہ کس ہستی سے بات کر رہے ہیں۔ ان کا مخاطب وہ عالم الغیب ہے جس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ خدا کی عظمت کا یہ احساس جیسے ہی تازہ ہوا انھوں نے اپنے کلام کو مختصر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے میرے اور بھی کئی کام ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے انسان کو جو تعلق ہونا چاہیے، وہ بہ یک وقت شوق اور خوف کے جذبات کا امتزاج ہونا چاہیے۔ خدا کی ہستی کا یہ شوق اور اس کی عظمت کا یہ احساس ایک سینے میں کس طرح جمع ہوتا ہے، حضرت موسیٰ کا یہ کلام اس کی بہترین مثال ہے اور ہر اس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اپنے رب سے ملاقات کا خواہش مند ہو۔

شکر اور صبر

حضرت ایوب علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ مال و دولت سے نواز رکھا

تھا۔ان کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، جب کہ سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو گدھے بار برداری کے لیےان کے پاس تھے۔ان کے زمانے میں ان جیسا مال ودولت والا کوئی اور نہ تھا۔

ان نعمتوں کے باوجود حضرت ایوب بڑے نیک ، پرہیز گار اور شکر گزار شخص تھے۔اس پر شیطان نے اپنے ایجنٹوں، یعنی حسد میں مبتلا انسانوں کے ذریعے سے یہ وسوسہ انگیزی پھیلانا شروع کر دی کہ ان کے پاس اتنا مال ہے،تب ہی یہ شکرگزار ہیں۔مصیبت زدہ ہوتے تو خدا ہی کے منکر ہو جاتے۔

یہ وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ فیصلہ ہوا کہ اس عظیم پیغمبر کے ذریعے سے دنیا کو ایک نمونہ دکھایا جائے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کو یہ بتائے کہ شکر گزار ہونے کے لیےنعمت ایمان ہونا ہی کافی ہے۔چنانچہ ایک ایک کر کے ان پر مصائب آنا شروع ہوئے۔پہلے مال مویشی گئے۔پھر اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے مرگئی،مگر اس عظیم ہستی کی زبان پر سجدے کی حالت میں ایک ہی جملہ تھا: رب نے دیا اور رب نے لیا۔رب کا نام مبارک ہو۔

مگر بات یہیں پر نہیں رکی۔اب معاملہ ان کی صحت وعافیت کا آگیا۔پورے جسم پر پھوڑے نکل آئے،مگر وہ پیکر وفا اسی طرح صبر وشکر کرتا رہا۔جب درد حد سے بڑھتا تو اللہ سے فریاد کرتے کہ مولا شیطان نے مجھے اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے۔جب ضبط جواب دینے لگتا تو اللہ کی بارگاہ میں التجا کرتے کہ میں سخت تکلیف میں ہوں اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

قرآن مجید میں ان کی یہی دو دعائیں نقل ہوئی ہیں۔ان میں نہ شکوہ ہے، نہ شکایت۔کوئی بے صبرا پن ہے، نہ اللہ پر کوئی الزام۔تسلیم ورضا کا عالم یہ ہے کہ ان دعاؤں میں کہیں شفا اور مصائب سے نکلنے کی درخواست تک نہیں کی،مگر دو پہلوؤں سے معرفت کا کمال کر دیا ہے: پہلی دعا میں یہ کہہ کر خدا کی غیرت کو پکارا ہے کہ تیرے دوست کو تیرے دشمن نے تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ظاہر ہے کہ کوئی غیرت منداس پر خاموش نہیں رہ سکتا کہ اس کے دوست کو کوئی تکلیف دے، کجا یہ کہ تکلیف دینے والا خود اس کا بھی دشمن ہو۔

دوسری دعا میں یہ کہہ کر خدا کی رحمت کو پکارا ہے کہ تیرا دوست تکلیف میں ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔کوئی رحیم اس پر کیسے خاموش رہ سکتا ہے کہ اس کا دوست تکلیف میں ہو اور وہ کچھ نہ کرے۔چنانچہ اللہ کی رحمت اور غیرت کو جوش آیا اور نہ صرف ان کی ساری تکالیف دور کر دی گئیں، بلکہ جتنی اولاد مری تھی، اتنی ہی دوبارہ پیدا کر دی گئی۔جو مال مویشی گیا تھا، اس کو دوگنا کر کے لوٹا دیا گیا۔اس کے بعد بھی وہ مزید ایک سو چالیس برس جیے اور اپنی چوتھی پشت تک کو دیکھا۔

تاہم یہ سارا معاملہ دنیا کے سامنے ایک نمونہ قائم کرنے کے لیے ہوا تھا، اس لیے مصائب کے آغاز سے اختتام تک تیرہ برس لگے۔ ایک پوری نسل ان کو بدترین مشکلات میں شکر گزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھ کر جوان ہوگئی۔ پھر پہلے بائیبل اور پھر قرآن مجید میں اس واقعہ کو محفوظ کر کے تا قیامت دنیا کے سامنے یہ نمونہ رکھ دیا گیا کہ کوئی شخص ایوب علیہ السلام سے زیادہ دکھی نہیں ہوسکتا، مگر اس کے باوجود بھی ایمان کی قوت سے شکر کرنا ممکن ہوتا ہے۔

اس واقعے کا آخری سبق یہ ہے کہ ان کی آزمایش کے تیرہ برس گزر گئے۔ اور ان کی نعمت والی طویل زندگی کے ایک سو چالیس برس بھی گزر گئے، مگر مصائب کا صبر اور نعمتوں پر شکر ہمیشہ کے لیے باقی رہ گیا۔ جب جنت قائم ہوگی تو ایسے صابر و شاکر لوگوں کو وہ جزا ملے گی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ نہ ایوب علیہ السلام کے لیے، نہ کسی اور صابر و شاکر شخص کے لیے۔

کردار کی عظمت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان کو بہترین قصہ کہا گیا ہے۔ اس میں ایک طرف ایک عظیم پیغمبر ہے جو سیرت و کردار کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے اور دوسری طرف رب مہربان ہے جس سے بڑھ کر قدر دان کوئی ہستی نہیں ہوسکتی۔ اس قصے میں حضرت یوسف کی اعلیٰ سیرت و کردار کے متعدد پہلو نمایاں کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض اتنے لطیف ہیں کہ ان کا ادراک کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ ہم ایسی ہی ایک مثال قارئین کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں جس کی طرف قرآن مجید نے کمال خوب صورتی سے اشارہ کیا ہے۔

حضرت یوسف کے اس قصے میں ایک جگہ یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی اس وقت ان کے پاس غلہ لینے کے لیے آئے، جب ہر جگہ قحط پڑا ہوا تھا۔ مگر مصر میں حضرت یوسف کے حسن انتظام کی بنا پر غلے کی کوئی کمی نہ تھی، بلکہ وہ دوسرے علاقے کے لوگوں کو بھی غلہ دے رہے تھے۔ حضرت یوسف کے بھائیوں کے تصور میں بھی نہ تھا کہ جس بھائی کو انھوں نے کنویں میں پھینکا تھا، وہ اب مصر کا بادشاہ بن چکا ہے۔ ان بھائیوں میں حضرت یوسف کے سگے بھائی بن یامین بھی تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دیگر بھائیوں کو تو اپنی اصلیت سے مطلع نہیں کیا تھا، مگر بن یامین کو اپنے بارے میں بتا دیا تھا۔

بھائی غلہ لے کر جانے لگے تو انھوں نے بن یامین کے سامان میں اپنا پانی پینے کا پیالہ رکھوا دیا۔ اللہ کی قدرت سے یہ ہوا کہ عین قافلے کی روانگی کے وقت ایک شاہی پیمانہ بھی غائب ہوگیا۔ چنانچہ ہر طرف اس کی تلاش شروع ہو

گئی۔ قافلے کو روک کر اس کی بھی تلاشی لی گئی۔ شاہی پیمانہ تو نہ ملا، مگر بن یامین کے سامان سے حضرت یوسف کا پیالہ برآمد ہو گیا۔ کسی کو ان دونوں کے تعلق کا علم تو تھا نہیں، اس لیے نتیجہ یہ نکالا گیا کہ بن یامین نے یہ پیالہ چوری کیا ہے۔

اس پر ان کے بھائیوں نے فوراً یہ الزام لگا دیا کہ بن یامین نے چوری کی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کا بڑا بھائی یوسف بھی چور ہی تھا۔ اس بے ہودہ اور جھوٹے الزام پر قرآن مجید نے حضرت یوسف کی یہ بات نقل کی ہے کہ انھوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ تم بدترین لوگ ہو، مگر انھوں نے اپنے ان جذبات کا اظہار ان لوگوں سے نہیں کیا۔

ایک طالب علم کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ قرآن مجید نے ان کے دل میں آنے والے اس خیال کو کیوں نقل کر دیا ہے۔ چاہے ایک غلط بات کے ردعمل میں سہی، مگر اس سے بظاہر حضرت یوسف کا غصہ سامنے آتا ہے جو اس پورے قصے کی روح سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا نہ بظاہر اس بلند کرداری سے جس کا اظہار حضرت یوسف نے ہر قدم پر کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے دل کی یہ کیفیت نقل کر کے ان کے کردار کی عظمت کو ایک مختلف پہلو سے متعارف کرایا ہے۔

حضرت یوسف کوئی عام آدمی نہیں تھے، مصر کے مختار کل تھے۔ وہ چاہتے تو اپنے بھائیوں کی اس بے ہودہ بات پر ناراض ہو کر ان سب کا سر قلم کرا دیتے۔ چاہتے تو ان کو زندان میں ڈلوا دیتے۔ کچھ اور نہیں تو ان کو غلہ دینے ہی سے انکار کر دیتے، مگر نہ صرف انھوں نے ان کے پرانے جرائم پر ان کو کوئی سزا نہیں دی، بلکہ عین اس وقت جب وہ ان کے دربار میں کھڑے ہو کر ان پر بہتان لگا رہے تھے جس پر ان کو فطری طور پر شدید غصہ بھی آیا جس کا اظہار ان کے اس جملے سے ہو رہا ہے جو انھوں نے اپنے دل میں کہا، مگر انھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا۔ ان کے بہتان پر ان کو کسی قسم کی سزا نہیں دی، نہ ان کو غلے سے محروم کیا۔

یہ کردار کی وہ عظمت ہے جسے سامنے لانے کے لیے قرآن مجید نے ان کے بھائیوں کا یہ بہتان اور ان کے دل میں آنے والے اس خیال کو قرآن میں بیان کر دیا۔ صبر و تحمل کا یہی وہ رویہ ہے جو کسی انسان کو اعلیٰ انسان بناتا ہے اور اس کے کردار کو عظیم بناتا ہے۔

نبی کی رحمت نبی کی معرفت

قرآن مجید کی سورۂ مائدہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ روز قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی امت، یعنی مسیحیوں

کے شرک کے متعلق یہ پوچھا جائے گا کہ کیا حضرت عیسیٰ نے ان سے کہا تھا کہ وہ ان کو اور ان کی والدہ کو اللہ کے ساتھ معبود بنا لیں۔ اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ صاف صاف کہہ دیں گے کہ انھوں نے ساری زندگی توحید خالص ہی کی دعوت دی تھی۔ یوں گویا حضرت عیسیٰ کی یہ گواہی مسیحی حضرات کے خلاف پوری حجت قائم کر دے گی کہ ان کا شرک کرنا اور حضرت عیسیٰ سے مدد و استعانت کا تعلق رکھنا ان کی اپنی گمراہی تھی۔

حضرت عیسیٰ اپنی اس گواہی کے بعد ایک اضافی جملہ اور فرماتے ہیں جو بڑا ہی معنی خیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پروردگار، تو اگر میری امت کے ان مسیحیوں کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو، تو زبردست بادشاہ بھی ہے اور بڑا حکیم بھی ہے۔

یہ جملہ بہ یک وقت ایک نبی کی رحمت اور اس کی معرفت کا بڑا خوب صورت بیان ہے۔ نبی اپنی امت کے لیے ایک باپ کی طرح شفیق ہوتا ہے۔ اولاد کیسی بھی ہو باپ بہر حال باپ ہوتا ہے۔ خاص کر جب وہ مشکل میں آ جائے تو انسان اپنی اولاد کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، جب کہ یہاں یہ حال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی گواہی نے مسیحیوں کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ اس کے بعد ان کی نجات کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا تھا۔

چنانچہ رحم کی ایک آخری درخواست کے طور پر حضرت عیسیٰ نے بڑے کمال طریقے سے اللہ کی رحمت اور قدرت کو اپیل کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ عذاب کے مستحق تو ہو چکے ہیں، اب آپ انھیں اگر عذاب دیں گے تو میں بیچ میں بولنے والا کون ہوں۔ میرے لیے تو یہ بس امتی ہیں، مگر آپ کے تو بندے ہیں۔ اور رب کو اپنے بندوں سے سب سے بڑھ کر محبت ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ ان کو معاف کر دیں تو آپ زبردست بادشاہ ہیں۔ آپ سے کون پوچھ سکتا ہے کہ آپ نے کسی کو کیوں معاف کر دیا۔ اور بات کسی حکمت ہی کی ہے تو سب سے بڑھ کر آپ حکیم ہیں۔ کوئی نہ کوئی راستہ آپ ان کے لیے ڈھونڈ سکتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ نے انتہائی اجمال کے ساتھ اور تمام تر آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی امت کو بچانے کے لیے یہ آخری الفاظ ادا کیے ہیں جو بلاشبہ معرفت کے الفاظ ہیں۔ انھوں نے کوئی سفارش نہیں کی کہ کسی مشرک کی سفارش کا الزام ان پر آ جائے، مگر سفارش کے لیے جو ممکنہ طور پر موثر ترین اپیل خدا کی رحمت اور قدرت کی بارگاہ میں کی جا سکتی ہے، وہ کی ہے۔

تاہم یہ واضح رہے کہ اس کے بعد کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ اُس روز صرف صدق و سچائی ہی انسان کو نفع دے گی۔ یہی سچائی جنت کے بدلے کا انسان کو حق دار بنا دے گی، اس لیے کوئی جھوٹا اور خاص کر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شرک کا جھوٹ بولنے والا اس روز کسی بھلائی کی توقع نہ رکھے۔ان کے لیے جنت کی کوئی امید نہیں ہے۔ باقی آسمان و زمین اور ان میں موجود ہر چیز کی بادشاہی اور ملکیت اللہ کی ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو جنت میں تو نہیں بھیجا جا سکتا۔ باقی جو فیصلہ اللہ تعالیٰ لینا چاہیں، وہ لے سکتے ہیں۔سورۂ انعام (۶: ۱۲۸)،سورۂ ہود (۱۱: ۱۰۷) اور بعض دیگر مقامات کے اشارات سے یہ بات واضح ہے کہ وہ فیصلہ غالباً یہ ہوگا کہ ایک انتہائی طویل مدت گزرنے کے بعد ایسے مجرموں کو جہنم سمیت فنا کر دیا جائے گا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی انتہائی رحمت کا ظہور ہوگا اور ساتھ میں اس حقیقت کا اظہار بھی کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اصلاً نیک لوگوں کی تلاش کے لیے بنائی تھی۔ دنیا کا یہ کارخانہ جنتی کردار کے لوگوں کی پروڈکشن کے لیے لگایا گیا ہے۔ اہل جہنم اس عمل کا بائی پروڈکٹ ہیں۔ چنانچہ محسوس ہوتا ہے کہ آخر کار اس بے کار بائی پروڈکٹ کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے گا۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سورۂ ص کے دو کردار

قرآن مجید کی سورۂ ص (۳۸) میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ان کے پاس دو لوگ دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے اور ایک مقدمہ پیش کیا۔ان میں سے ایک شخص کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں اور دوسرے کے پاس فقط ایک۔ جس کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں، اس نے دوسرے کو اپنی باتوں سے دبا لیا اور اس سے یہ مطالبہ کیا کہ اپنی اکلوتی دنبی بھی اس کے حوالے کر دے۔ حضرت داؤد نے بلا تامل اس شخص کو غلطی کا مرتکب ٹھیرایا جس نے دوسرے کی اکلوتی دنبی بھی مانگ لی تھی۔ مگر یہ کہتے ہوئے انھیں اندازہ ہو گیا کہ اس واقعے سے اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ کسی ایسے معاملے کی طرف مبذول کرائی ہے جہاں وہ درست جگہ پر نہیں رہے تھے۔ چنانچہ وہ فوراً متنبہ ہوئے اور اللہ سے درگذر کی درخواست کی اور سجدہ ریز ہو کر اس کے حضور رجوع کیا۔

عام طور پر سارے مفسرین اور قارئین اس قصے کے حوالے سے جس چیز میں سب سے زیادہ دل چسپی لیتے ہیں، وہ یہ کہ حضرت داؤد کا وہ کیا معاملہ تھا جس کی طرف ان کی توجہ اس طرح مبذول کرائی گئی ہے، حالاں کہ اس واقعے کو بیان کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حضرت داؤد کے کسی کمزور معاملے کو لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ سیاق کلام تو یہ بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت داؤد کی عظمت کا غیر معمولی بیان ہے جسے کفار مکہ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کے التفات کا یہ عالم ہے کہ آیت ۱۷، جہاں سے حضرت داؤد کا تذکرہ شروع ہوا ہے، یہ کہہ کر ان کا ذکر

کیا گیا ہے کہ اے نبی، جو کچھ یہ (کفار) کہتے ہیں، اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو۔

قرآن مجید کے اداشناس جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنا بندہ کہہ کر اس کا ذکر کرتے ہیں تو یہ قرب کا سب سے اعلیٰ مقام ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اس کے بعد ان کی اس تسبیح کا ذکر ہے جس کا ساتھ دینے کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔ پھر ان کی عظیم سلطنت، اس کو چلانے کے لیے دی گئی حکمت اور معاملات کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کیا عظیم روحانی اور مادی سلطنت تھی جس کے وہ بادشاہ تھے۔

اس کے بعد اس واقعے کا ذکر ہے جو شروع میں بیان ہوا۔ اور اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک طرف یہ عظیم بادشاہ ہے جس نے دوسروں کی غلطی میں اپنی کمزوری کو ڈھونڈ لیا۔ جس نے براہ راست توجہ دلانے سے قبل ہی خدا کی عظمت کے آگے خود کو ڈھیر کر دیا۔ جس نے رعایا کے دو عام افراد کے جھگڑے میں خدا کا پیغام ڈھونڈ لیا۔ دوسری طرف مکہ کے یہ سرکش سردار ہیں جن کا ذکر اس واقعے سے پہلے ہوا ہے۔ ان کے پاس خدا کا رسول آ گیا ہے۔ خدا کا پیغام آ گیا ہے۔ ان کو براہ راست نصیحت کی جا رہی ہے۔ ان کے بدترین جرائم پر خوف ناک عذاب کی تنبیہ کی جا رہی ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ یہ لوگ ہٹ دھرمی اور تکبر کا شکار ہیں۔ ماننے کے بجائے شک میں پڑے ہیں۔ رسول کے سامنے سر جھکانے کے بجائے اسے جادوگر اور جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

چنانچہ ایک رویہ ان کفار کا ہے اور دوسرا رویہ حضرت داؤد کا ہے۔ پہلے رویے پر عذاب کی وعید ہے۔ بدر کے روز حسب وعدہ یہ عذاب آیا اور ان کو ہلاک کر دیا گیا، جب کہ حضرت داؤد پر جو انعامات کیے گئے، اس کا ذکر گزر چکا ہے کہ وہ کیسی عظیم روحانی اور مادی سلطنت کے حکمران تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں دو کرداروں کا بیان ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں: ایک کردار وہ ہے جن کو براہ راست نصیحت کر دی جائے، ان کے جرائم پر کھل کر تنقید کر دی جائے، اللہ کی سخت پکڑ سے ڈرایا جائے، تب بھی ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دوسری طرف وہ کردار ہوتا ہے جو تنبیہ سے پہلے اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ جو دوسرے کے معاملات میں اپنے لیے نصیحت کا پہلو ڈھونڈ لیتا ہے۔ جو غلطی کا خیال بھی دل میں آنے پر نادم ہو جاتا ہے۔ سورۂ ص کی یہ آیات بتاتی ہیں کہ پہلی قسم کے کرداروں کا انجام بدترین عذاب ہے۔ اور دوسری قسم کے کرداروں کو دنیا میں بھی بھلائی ملتی ہے اور آخرت میں بھی بہترین بدلہ ان کا منتظر ہے۔

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

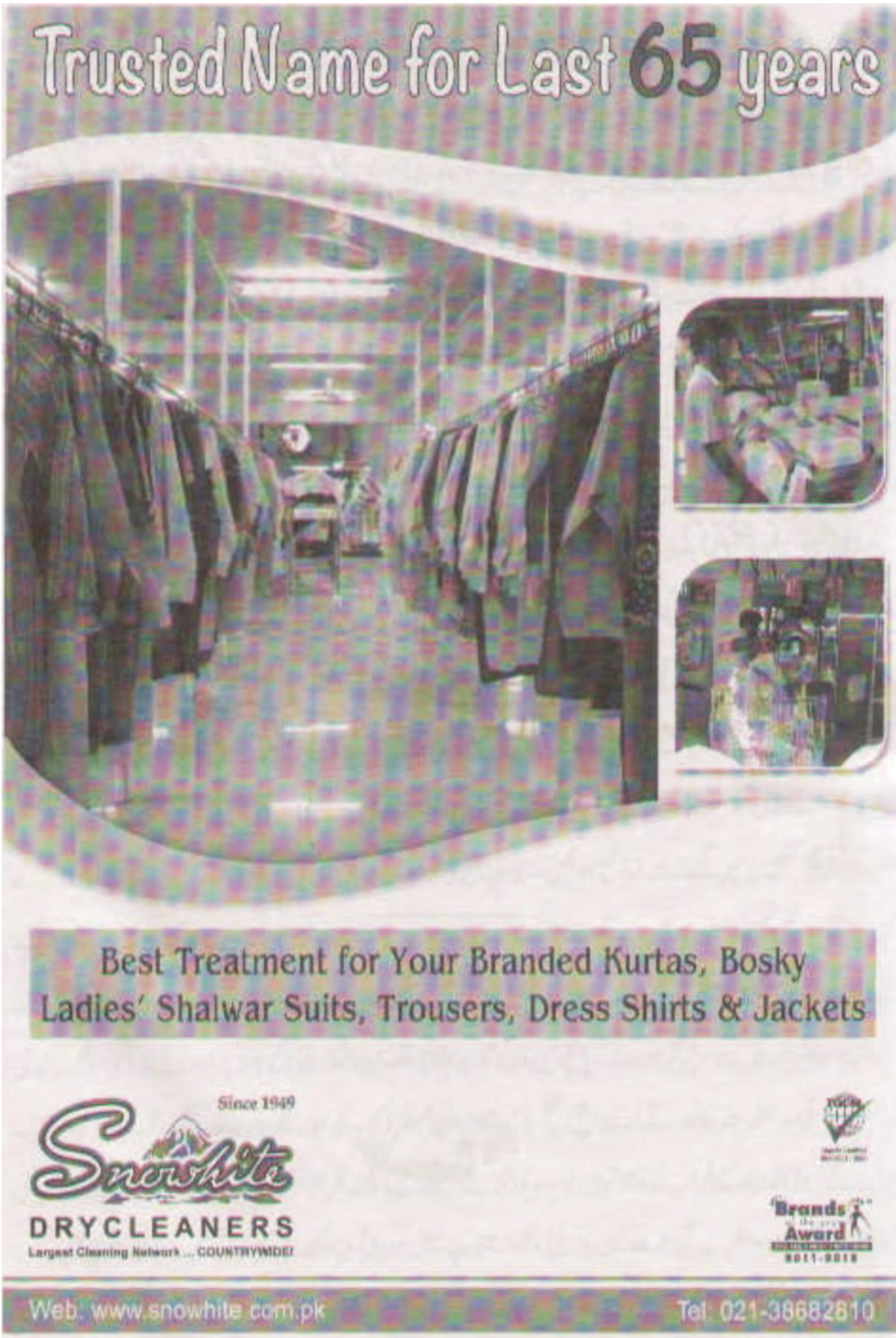
Trusted Name for Last 65 years
Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets
Since 1949
Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!
Brands Award
Web: www.snowhite.com.pk
Tel: 021-38682810

Monthly
ISHRAQ
Lahore

September 2017
Vol.29 No.9
Regd. No. CPL- 183

Publisher : Javed Ahmad Ghamidi Printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore

لئن شکرتم لازیدنکم
اگر شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا (القرآن)

PRAISE BE TO ALLAH, LORD OF THE WORLDS

150+ within 250 days keep counting...

ALLIED SCHOOLS
Project of Punjab Group of Colleges

Allied Pre School
Allied School
Growing Together

Ar-Rahman Campus-JHELUM
Outside Classroom Education
Inter-Campus Transfer
Sahi Campus-SHAHKOT
Al-Fajar Campus-LAHORE
Ghazi Campus-OKARA
Rehman Campus-GUJRANWALA
Pak Campus-LAHORE
Web Portal
Parent-Teacher Meetings
Harbanspura Classic Campus-LAHORE
Sialkot Campus-SIALKOT
Al-Miraj Campus-LAHORE
Sibling Discount
Sir Syed Campus-LAHORE
Capital Campus-ISLAMABAD
Ellahabad Campus-ELLAHABAD
Cantt Campus-GUJRANWALA
Ferozpur Road Campus-LAHORE
Raiwand Road Campus-LAHORE
Sargodha Road Campus-FAISALABAD
Farooqabad Campus-FAROOQABAD
Marrium Campus-JOHARABAD
Jhelum Campus-JHELUM
Spoken English
Character Building
Grace Campus-LAHORE
Gojra Campus-GOJRA
Lodhran Campus-LODHRAN
Bhimber Campus-BHIMBER
Shakargarh Campus-SHAKARGARH
Standardized Curriculum
Shalimar Campus-FAISALABAD
Sahiwal Campus-SAHIWAL
Entry Test Preparation
DC Road Campus-GUJRANWALA
Ali Pur Chattah Campus-ALI PUR CHATTAH
Al-Ahmad Campus-LAHORE
Bahawalpur Campus-BAHAWALPUR
Mock Assessment
Educational Insurance
Tulip Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-GUJRANWALA
Bilal Campus-BHALWAL
Professional Development of Teachers
Zafarwal Campus-ZAFARWAL
Attendance by SMS
Concept-Based Teaching
Wapda Town Campus-GUJRANWALA
Exclusive Early Years Education
Burewala Campus-BUREWALA
Husnain Campus-SAMBRIAL
Bedian Campus-LAHORE
Peshawar Road Campus-RAWALPINDI
Gulshan-e-Ravi Campus-LAHORE
Samanabad Campus-LAHORE
Sadar Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-RAWALPINDI
GT Road Campus-GUJRANWALA
Kamalia Campus-KAMALIA
Extra & Co-curricular Activities
Ar-Raheem Campus-DINA
Walton Campus-LAHORE
Johar Town Campus (South)-LAHORE
Merit Scholarships
Career-Path Counseling
Akbar Campus-VEHARI
Hyderabad Campus-HYDERABAD
Samanabad Campus-FAISALABAD
Chauburji Campus-LAHORE
Sargodha Campus-SARGODHA
Kamoke Campus-KAMOKE
Dunyapur Campus-DUNYAPUR
Peoples Colony Campus-FAISALABAD
Hafizabad Campus-HAFIZABAD
Chichawatni Campus-CHICHAWATNI
Wazirabad Campus-WAZIRABAD
Subhan Campus-PATTOKI
PECO Road Campus-LAHORE
Art, Craft & Music
Allama Iqbal Town Campus-LAHORE
International Standards
Peoples Colony Campus-GUJRANWALA
Kasur Campus-KASUR
Al-Fateh Campus-KOT ABDUL MALIK
Dinga Campus-DINGA
Johar Town Campus (North)-LAHORE
Kotla Campus-KOTLA ARAB ALI KHAN
Thana Campus-MALAKAND AGENCY
Ahmed Campus-RAHIM YAR KHAN
Faisalabad Campus-FAISALABAD
Muridke Campus-MURIDKE
Salaar Campus-RAWALPINDI
Swat Campus-SWAT
Lalamusa Campus -LALAMUSA
Madina Campus-FAISALABAD
Teaching through Animation
Fatima Campus-DASKA
Adyala Campus-RAWALPINDI
Oasis Campus-BAHAWALPUR
Taunsa Campus Campus-TAUNSA SHARIF
Rahim Yar Khan Campus-RAHIM YAR KHAN
English Medium
Mumtaz Campus-MULTAN
Health & Hygiene Guidance
Narowal Campus-NAROWAL
Jinnah Campus-NOWSHERA VIRKAN
Jalal Pur Jattan Campus-JALAL PUR JATTAN
Bukhtiyari Campus-LAHORE
Malakwal Campus-MALAKWAL
Sadiqabad Campus-SADIQABAD
DG Khan Campus-DERA GHAZI KHAN
Gujrat Campus (South)-GUJRAT
Mirpur Campus-MIRPUR AZAD KASHMIR
Playgroup to University Education
Quaid Campus-TOBA TEK SINGH
Model Town Campus-GUJRANWALA
Mandi Bahauddin Campus-MANDI BAHAUDDIN
Mouaz Campus-MANANWALA
Al-Ghaffar Campus-SARA-E-ALAMGIR
Bhakkar Campus-BHAKKAR
Chanab Campus-PARHIANWALI
Qila Didar Singh Campus-QILA DIDAR SINGH
Zaimas Campus-SHEIKHUPURA
Hujra Shah Muqeem Campus-HUJRA SHAH MUQEEM

Group Corporate Office, Allied Schools & Punjab Colleges, 64-E-I, Gulberg III, Lahore - Pakistan. Ph: 042 35756357-58
www.alliedschools.edu.pk